سیدہ سحر عمران

اِک شام کے بعد

”نوال؟“ میں نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا جب مما نے پکار لیا۔ وہ کچن کے پاس کھڑی تھیں میں نے ایک نظر انہیں اور دوسری نگاہ لیونگ روم سے بلند ہوتی آوازوں اور قہقہوں پر ڈالی۔ غالباً ”فرح آپی آئی ہوئی تھیں۔

”جی.....“ ہینڈ بیگ سینٹرل ٹیبل پہ رکھ کر میں صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

”وہ.....“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر اسی وقت چچی نے انہیں بلا لیا۔

”عروس! ذرا بات سننا.....“

”آ رہی ہوں۔“ وہ متذبذب سی واپس پلٹ گئیں اور اپنے پیروں کو سینڈل سے آزاد کرتے ہوئے میں ان کے مبہم رویے کو سوچتی فرح آپی کو سلام کرنے کے لیے اٹھی تو احزم بھاگتا ہوا لیونگ روم سے نکلا۔

”مما! آپ آ گئیں۔“ وہ پُرجوش لہجے میں ک... طرف لپکا تو میں نے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔

”جی مما کی جان! میں آ گئی ہوں.....“

”وہ مما اندر پتہ ہے ایک انکل آئے ہیں۔ ا... ہیں انہوں نے مجھے چاکلیٹس بھی دیں اور یہ د... کتنی ساری کینڈیز ہیں۔“ وہ اپنی جیب میں سے... نکالنے لگا۔

”میں نے ٹافیوں کے ساتھ مگن احزم کو دیکھا او... وار دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو... صوفے پر بیٹھے اس شخص پر نگاہ پڑتے ہی قدم وہیں... ہوئے تھے۔ سب ہی نے گردن گھما کر مجھے دیکھا...

مکمل ناول

تو آنکھیں پھاڑے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" اس کے خوب صورت کشادہ دار لب وا ہوئے۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ ناقابل تسخیر اور پتھریلے نقوش کا حامل..... اس کی مغرور شخصیت آج بھی جان لیوا تھی۔

"احرار مبشر۔" میرے لب بے آواز ہلے۔

"کیسی ہو نوال؟" اس نے دھیرے سے مسکرا کر پوچھا تھا۔ یہ شخص جس کے لبوں پر مسکراہٹ روز اول کی طرح عجیب لگتی تھی۔ مجھ سے کتنے فرینکلی انداز میں حال دریافت کر رہا تھا۔

"مما! یہ بہت اچھے انکل ہیں۔ انہوں نے مجھے کینڈیز دی ہیں اور پتہ ہے یہ میرے لیے۔" احزم جانے کیا کہہ رہا تھا۔ میری آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ میں نے اسے نیچے اتارا اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی دوسری منزل کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ جب میں لیونگ میں داخل ہوئی تو بہت شور و غل تھا مگر میرے وہاں جاتے ہی معنی خیز خاموشی در و دیوار میں اتر آئی تھی۔ سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نظریں چرا لیں۔

مگر احرار مبشر!..... اس کی نگاہیں میری طرف اٹھیں تو پلٹنا بھول گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"مما! مما..... یہ شخص کیوں واپس آیا ہے؟ اتنے عرصے بعد آپ نے اسے منع کیوں نہیں کیا۔ کیا لینے آیا ہے اب اور کتنی سزا باقی رہ گئی ہے میری ذرا سی بھول کی۔ اس سے کہیں یہاں سے چلا جائے ورنہ میں، میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔" میں جو کافی دیر سے ضبط کا مظاہرہ کرتی ایزی چیئر پر جھول رہی تھی۔ مما کو اندر آتے دیکھ کر ہی بکھرنے لگی تھی۔

"یہ اس کا بھی گھر ہے نوال!" مما میری دلی کیفیت سے واقف تھیں وہی کیا پورا ہمدانی ولا ہی واقف تھا۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"تو پھر میرا گھر کہاں ہے مما! میں کہاں جاؤں..... اسے دیکھ کر میرے چھ برس پرانے زخم ادھڑنے لگے ہیں۔ تائی اور ابی نے تو اسے معاف کر دیا ہوگا ان کا بیٹا ہے آخر۔ ان کا خون مگر میں اتنا ظرف کہاں سے لاؤں۔ اس نے مجھے پل پل رلایا ہے مما!" میں سسکنے لگی تھی۔

"نوال میری جان!" مما نے میرے آنسو اپنی ہتھیلیوں پر سمیٹے۔

"صرف چند گھنٹے ہوئے ہیں اسے آئے ہوئے۔ ایسا بی ہیو مت کرو۔ تمہارے ابی اور تائی ماں کو کتنا برا لگے گا۔ ٹھیک ہے تمہارے اس کی طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں مگر تم اتنی کٹھور بھی مت بنو۔"

"کٹھور..... مما یہ آپ کہہ رہی ہیں۔ تو بتائیں کس نے بنایا ہے مجھے کٹھور اور پتھر دل..... میں اسے کیسے معاف کر دوں..... اس کے تھپڑ کا نشان آج بھی ثبت ہے میرے گال پر۔" وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی۔ چوبیس سالہ نوال احمر بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"نوال! بی بریو بیٹا! اس طرح ٹوٹ کر بکھرو گی تو کیسے حساب چکا پاؤ گی اس سے....." وہ مجھے پچکارنے لگیں۔

"مما..... مما؟" دفعتاً احزم دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر داخل ہوا۔

"آپ کو کیا ہوا مما! آپ....." وہ سرعت سے میری جانب لپکا تھا پھر مجھ پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

"نانو! مما کو کیا ہوا؟ مما! آپ کیوں رو رہی ہیں؟" وہ اپنی ننھی منی گلابی ہتھیلیوں سے میرے چہرے پر سے بال ہٹاتے ہوئے تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"بس ایسے ہی....." میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"پاگل ہے تمہاری مما! خوامخواہ میں رو رہی ہے۔ چپ کرواؤ اسے شاباش۔" مما اسے میرے پاس چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

"نوال! آنسو صاف کر لو بیٹا! احزم پریشان ہو رہا ہے۔ میں نیچے جا رہی ہوں۔ سب کھانے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔ حالات اور وقت کا بہادری سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بزدلوں کی طرح آنسو بہانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ شاباش جلدی سے فریش ہو کر نیچے آ جاؤ۔"

وہ میرا سر تھپتھپا کر باہر نکل گئیں۔

✡ ✡ ✡

ڈائننگ ہال میں معمول کی چہل پہل تھی۔ ابی ہمدانی ولا کی سب سے معتبر شخصیت تھے۔ دادا ابو کی وفات کے بعد ہمدانی ولا کی سربراہی ان ہی کے حصے میں آئی تھی۔ وہ ایک ریٹائرڈ جج تھے۔ منصف اور اصول پسند اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ میرے کیس کا منصفانہ فیصلہ کریں گے۔ گو کہ میرے مقابل ان کا اپنا بیٹا تھا۔

ابی اور تائی ماں کی چار اولادیں تھیں۔ سب سے بڑی فرح آپی پھر احرار مبشر، عفیرہ اور ضمیر جسے سب میر کہتے تھے۔ دوسرے نمبر پر بابا جان تھے یعنی میرے والد محترم احمر ہمدانی..... میں ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ تیسرے نمبر پر اسفر چاچو تھے۔ ان کے تین سپوت تھے۔ اریب، عظام اور صدام.....

میں فریش ہو کر نیچے آئی تو سب ڈائننگ ہال میں چیئرز سنبھال چکے تھے۔

"نوال کہاں ہے؟" ابی نے غالباً انیلا چچی سے پوچھا تھا۔

"السلام علیکم!" میں خود کو کمپوز کر چکی تھی، اس لیے بڑے اعتماد سے احزم کا ہاتھ تھامے اپنی مخصوص چیئر کی طرف بڑھی۔ مگر یہ کیا..... میرے دائیں طرف ایک اور کرسی کا اضافہ کر دیا گیا تھا اور اس پر براجمان شخصیت کو دیکھ کر میرے منہ میں کڑوا بادام آ گیا۔ تاہم میں گھر کے بڑوں کے سامنے کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی، اس لیے خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ احرار پوری سنجیدگی کے ساتھ کھانے کی طرف متوجہ تھے ابی کی موجودگی میں سب مؤدب سے ہو کر بیٹھتے تھے۔ میں نے پلیٹ لینے کے لیے ہاتھ آگے کیا تو اسی وقت موصوف نے پانی کا گلاس اٹھایا ان کی ہتھیلی میری انگلیوں سے مس ہوئی تھی۔ میں جی جان سے سلگ گئی۔ سامنے دیکھا تو عظام آنکھوں میں بھرپور شرارت لیے مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں انکل کی گود میں بیٹھ جاؤں؟" جانے اسے انکل پر اتنا پیار کیوں آ رہا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اسے ڈپٹا۔ "آرام سے بیٹھو یہاں۔"

"مما گندی ہیں۔" احزم خفا ہو کر میری گود سے اترا اور لیونگ میں بھاگ گیا۔

"کیا ہوا؟ احزم کو کیوں ڈانٹا تم نے؟" ابی میری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

"ابی! اسے بھوک نہیں ہے، خوامخواہ میں تنگ کر رہا ہے۔"

"بھوک کیوں نہیں ہے۔ جاؤ اریب لے کر آؤ اسے۔ بلاوجہ مت ڈانٹا کرو بچے کو....." احزم میں تو ابی کی جان تھی گویا۔ اریب فوراً ہی اس کے پیچھے گیا۔

"انیسہ! اپنے صاحبزادے سے کہہ دیجیے گا کہ کھانے کے بعد اسٹڈی روم میں آ کر مجھے اپنی آمد کا مقصد بتانے کی زحمت کریں۔" نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہی ابی، احزم کو تائی ماں کی گود میں بٹھا کر اٹھ گئے۔ ان کی بات پر سب کی نگاہیں احرار مبشر کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

صبح کالج کے لیے کپڑے پریس کر کے میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی تو گھڑی کی سوئیاں بارہ کے ہندسے کو چھو رہی تھیں۔ میرا موڈ پہلے ہی آف تھا۔ گھڑی کو دیکھ کر مزید ہو گیا۔

"اوہ..... کتنی جلد بارہ بج جاتے ہیں۔" احزم کچھ دیر پہلے ہی سویا تھا۔ اسپلٹ کی کولنگ چیک کر کے میں نے اس پر چادر برابر کی اور ایک کپ چائے بنانے کی غرض سے نچلی منزل کی طرف جانے کا ارادہ باندھا۔ ویسے تو اوپر والی منزل میں بھی کچن تھا لیکن بہت کم استعمال ہوتا تھا۔ دودھ چونکہ فریج میں ہوتا تھا، اس لیے میں نیچے چلی آئی۔ ابھی ایک گھنٹہ بیٹھ کر لیکچر کی تیاری بھی کرنی تھی اور اس کے لیے چائے میری تنہائی کی ساتھی ہوتی تھی۔

پچھلے تین سالوں سے میری یہی روٹین تھی۔ رات کو ایک تو بج ہی جاتا تھا سوتے سوتے اور صبح نماز فجر کے ساتھ ہی آنکھ کھل جاتی تھی۔ ان چھ برسوں میں جہاں میری ذات میں بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں، وہاں رب سے قلبی و روحانی تعلق بھی مضبوط ہوا تھا۔ میں جو مارے باندھے ارکان اسلام ادا کرتی تھی، اب پابندی کے ساتھ عبادت کرتی تھی، کم از کم فرض عبادات میں تو کوئی کوتاہی نہیں کرتی تھی۔

میں نوال احمر..... جسے لوگ احمق، جذباتی، بے وقوف اور بے حد ضدی لڑکی خیال کرتے تھے۔ ان چھ برسوں میں اتنی بدل چکی تھی کہ اب اپنی ذات جو ماضی کا حصہ تھی، وہ ایک خواب لگتا تھا۔ اب تو میں یہ سوچتی تھی کہ کیا میں واقعی ایسی بھی تھی۔ خود اپنی ذات کو بدلنے کی خواہش نہیں

تھی مجھے..... مجھے کبھی بھی یہ شوق نہیں لاحق رہا کہ میں اپنی عادتیں اور بے کار مشاغل بدل لوں۔ اپنی مداح سرائی اور تعریفیں سننے کا مجھے خبط نہیں تھا کہ لوگ میرے بارے میں ایسا سوچیں۔ یوں کہیں۔ نوال احمر تو اپنی ذات میں مگن ایک بے حد سادہ اور بچی کھری لڑکی تھی، جس کا دل آئینے کی طرح شفاف تھا۔ جو مسکراتی تھی تو لوگ کہتے تھے اس کی بڑی بڑی سیاہ خواب ناک آنکھیں بھی اس کے سنگ مسکراتی ہیں جو اپنی ذات میں مگن ہوتی تھی تو لوگ اسے مغرور سمجھتے تھے۔ جو بولنے پر آتی تھی تو درمیان میں ٹھہرنا بھول جاتی تھی۔ اپنے مما اور پاپا جان کی بے حد لاڈلی، اپنی اور تائی ماں کی چہیتی، چاچو اور چچی کی دلاری، اپنے کزنز کی دوست شوخ، بذلہ سنج حاضر جواب اور زندہ دل نوال احمر ان چھ برسوں میں کتنا بدل گئی تھی۔

اب نہ اس کے لبوں کے سنگ اس کی آنکھیں مسکراتی تھیں اور نہ اسے بے تحاشا بولنے کی عادت رہی تھی۔ لوگ آج بھی اسے مغرور کہتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس پر اٹھنے والی نگاہوں میں اب ہمدردی اور ترحم بھی ہوتا تھا۔ اس کا دل مردہ ہوا تو زندگی اپنی زندہ دلی چھ برس پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

اور میری ذات کا یہ تغیر کس کے سبب تھا؟ میں نے لاؤنج میں قدم رکھ کر کاریڈور کے اکلوتے بلب کی روشنی میں اس شخص کا سایہ دیکھا..... وہ نائٹ گاؤن پہنے سیڑھیوں کے پاس پلر سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم اس مسافر کی طرح لگ رہا تھا جس نے منزل کے پاس آ کر منزل گنوا دی ہو۔ اس کی سرد انگلیوں میں جلتا سگریٹ راکھ بن رہا تھا۔ میرے قدم اسے دیکھ کر دوسری بار ساکت ہوئے تھے۔

کس قدر اداس، تنہا اور پژمردہ تھا یہ شخص۔

"یہ زندگی تو آپ کی اپنی چوائس تھی احرار مبشر! آپ نے سگریٹ بھی پینی شروع کر دی حالانکہ آپ کو اس نشے سے بے حد نفرت تھی مگر ایسا ہی ہوتا ہے احرار مبشر..... ایسا ہی ہوتا ہے کسی کی زندگی میں غم اور آنسو بھر کر ہم کیسے آسودہ اور خوشحال رہ سکتے ہیں۔ کسی کے راستے میں اداسیاں اور اذیتیں بچھا کر ہم کیسے آباد اور مطمئن رہ سکتے ہیں۔" میں نے نم ہوتی آنکھیں اس سائے پر سے ہٹا دیں۔ وہ غالباً میری موجودگی محسوس کر چکے تھے اس لیے قدرے گردن موڑ کر اس نے مجھے دیکھا اور پھر وہ پورا میری طرف گھوم گئے۔

"نوال!" مجھے ان کی معافی تلافی، معذرت، جواز کسی شے سے غرض نہیں تھی۔ اس لیے لرزتے قدموں کو دھکیلتے ہوئے کچن کا دروازہ وا کیا۔

"نوال!" اب کے انہوں نے قدرے اونچی آواز میں پکارا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا میرے سامنے آ گیا۔ کچن کا دروازہ جانے کیوں نہیں کھل رہا تھا میں نے لاک گھمایا۔

"لوگ مجھے نوال نہیں مسز زہیر حاذق کہتے ہیں۔" میں چبا چبا کر بولی تھی؟ کچن کا دروازہ کھل گیا تھا۔ میں اندر داخل ہوئی لیکن ایک دروازہ قسمت کا بھی ہوتا ہے جو ہم دونوں پر بند ہو چکا تھا۔

"چائے بنا رہی ہو..... ایک کپ مجھے بھی بنا دینا۔" وہ بے تکلفی سے کہتے میرے پیچھے آئے، وہ بے تکلفی جو چھ برس پہلے تک ہمارے مابین رہی تھی۔ باوجود ضبط کے مجھے رونا آنے لگا۔

"چار برس سے میں رات کے اس پہر صرف ایک کپ چائے بناتی ہوں مسٹر احرار مبشر! مجھے نہ خدمت خلق کا شوق ہے اور نہ میں اتنی مہمان نواز ہوں..... سوری۔"

"یار! تم اتنی پتھر دل کبھی تھیں تو نہیں۔" وہ دروازے میں کھڑے تھے میرے ہاتھوں سے پتی کا چمچ قدرے چھلک گیا۔

"پتھر....." میں نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ "مجھے پتھر بنا کر کہہ رہے ہیں کہ میں اتنی پتھر دل کبھی تھی تو نہیں....." آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ گئے۔

"سوری نوال..... میں۔"

"سوری....." میں ہولے سے ہنسی۔ اس ہنسی میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں انہیں بھی محسوس ہوئی تھیں جب ہی لب چبانے لگے۔

"بہت چھوٹا سا لفظ ہے یہ مگر یہ مجھے چھ برس نہیں لوٹا سکتا۔ میرے چھ سال برباد کر دیے ہیں آپ نے۔ اتنا سا لفظ کہنے میں اتنے برس لگا دیے احرار مبشر! اتنے برس۔ اور اب مجھے کسی معافی تلافی اور معذرت کی حاجت نہیں رہی، جب تھی تب آپ کی انا نے گوارا نہ کیا اور آج میری انا گوارا نہیں کرتی میری چار برس کی وہ زندگی گوارا نہیں کرتی جس میں اب میرے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لگ چکا ہے..... کبھی آپ کے لوٹنے کی خواہش کی تھی دل نے اور آج یہی دل کہتا ہے کہ کاش آپ کبھی نہ لوٹتے احرار

مبشر! کبھی ہمدائی دلا..... واپس نہ آتے..... اور یہ میری قسمتی تھی کہ میں ایک بار پھر اسی گھر میں چلی آئی..... پانی کھول کھول کر ختم ہو گیا تھا۔ میں نے برنر آف کر دیا۔

"میں مانتا ہوں۔ میں نے بہت غلط کیا تھا تمہارے ساتھ..... اس وقت۔"

"اب اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وقت کی سوئیاں چھ برس آگے آ چکی ہیں۔ اب مجھے نہ آپ کے لوٹ آنے کی خواہش رہی تھی اور نہ..... پلیز احرار! چلے جائیں یہاں سے۔" میں اپنی سسکیوں پر قابو پانے لگی وہ کچھ دیر لب بھینچے مجھے دیکھتے رہے اور پھر واپس پلٹ گئے۔ میں ڈائننگ ٹیبل پر سطح پر سر ٹکا کر بے آواز رونے لگی تھی۔ اس شخص نے دیا ہی کیا تھا مجھے ساری عمر آنسوؤں کے سوا۔ میرے بہت سے قرض واجب تھے اس پر جن کا حساب چکانے کا وقت آ چکا تھا۔ لیکن جو بھی تھا احرار مبشر میری محنت ضرور تھے۔

بیتے وقتوں کی ایک ایک یاد آنسو بن کر میری آنکھوں سے بہنے لگی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل کی میز پر بیٹھے بیٹھے میں بارہ برس پرانی نوال احمر بن گئی تھی جسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونا آ جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اوائل جون کی ایک گرم دوپہر تھی۔

زرد چلچلاتی ہوئی دھوپ برگد کے گھنے پیڑوں میں منہ چھپائے آہیں بھر رہی تھی۔ آم کے بوڑھے شجر کے نیچے کچی پکی کیریوں کا ڈھیر تھا۔ گرمی سے بے حال ہوتے بدن کو اے سی کی خنکی بھی چبھنے لگی تو میں شاور لے کر باہر نکل آئی۔ گھنیرے نم بال تولیے میں مقید تھے۔ لان کی سرخ پرنٹڈ قمیص سے پانی کے قطرے جھٹک کر میں نے سیاہ گیٹ کو وا ہوتے دیکھا اور چند لمحوں بعد ایش گرے تھری پیس میں ملبوس احرار مبشر کو اندر آتے دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"احرار بھائی آ گئے۔" میں نے وہیں سے نعرہ لگایا تھا۔ لاؤنج میں صوفے اور کارپٹ پر اونگھتے چاروں لڑکے ہڑبڑا کر جاگے تھے۔ احرار بھائی پورے ڈھائی ماہ بعد جرمنی سے واپس لوٹے تھے ڈھائی ماہ پہلے وہ اپنی کمپنی کی طرف سے ایک کورس کے سلسلے میں جرمنی گئے تھے۔ پرسوں ان سے فون پر بات ہوئی تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک ماہ مزید ٹھہریں گے اور آج بالکل اچانک بغیر اطلاع دیے چلے آئے تھے۔ انہیں شروع سے ہی سرپرائز دینے کی عادت تھی۔

"السلام علیکم!" وہ انتہائی وجیہہ چہرے پر تھکن سمیٹے ہوئے تھے۔

"وعلیکم السلام..... احرار بھائی! آپ ہمیشہ سرپرائز دینے کے موڈ میں رہتے ہیں۔" میں نے لپک کر ان کے ہاتھ سے ٹریولنگ بیگ لیا "اتنی دوپہر میں آنے کی کوئی تک بنتی تھی بھلا انفارم ہی کر دیتے کم از کم کوئی ریسیو کرنے آ جاتا اور پرسوں فون کیا تو کہہ رہے تھے پاکستان میں تو بہت گرمی ہو گی ان دنوں میں ایک ماہ مزید ٹھہروں گا میری کمپنی مجھے....." میں حسب عادت بے تکان بولتی جا رہی تھی اس لیے انہیں مداخلت کرنی پڑی۔

"پرسوں تک ارادہ نہیں تھا کل شام اچانک ہی آنے کا موڈ بن گیا اور گھر میں سب خیریت ہے۔"

"بالکل..... پیپرز کا سیزن بخیر و عافیت نپٹ گیا۔ فی الحال ان دنوں راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔" میں نے دانت

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق
مضبوط جلد
آفسٹ چھپائی
قیمت: -/750 روپے
ڈاک خرچ: -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہِ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

نکالے اسی اثناء میں عظام 'اریب اور ضمیر کاریڈور میں چلے آئے۔

"مصیبت اور احرار بھائی ہمیشہ اچانک حملہ آور ہوتے ہیں۔" عظام دھیرے سے بڑبڑایا تو میں نے آنکھیں نکالیں۔ پتہ نہیں کیوں میں احرار مبشر کے معاملے میں شروع سے ہی بہت پوزیسو تھی۔ اس گھر میں واحد میں تھی جو ان کی ضرورتوں اور احساسات کا خود سے بڑھ کر خیال رکھتی تھی اور ایسا بچپن سے ہی تھا احرار بھائی گو کہ مجھ سے گیارہ برس بڑے تھے۔ ضمیر اور اریب کے بعد گھر میں میرا نمبر تھا اصولاً "میری ضمیر اور اریب سے زیادہ دوستی ہونی چاہیے تھی لیکن ان سے تو میری ایک منٹ نہیں بنتی تھی۔ اور احرار بھائی کا ورد تو ہر وقت زبان پر جاری رہتا۔ دو سال پہلے فرح اور عفیرہ آپی کی اکٹھے شادی ہوئی تھی۔ وہ دونوں بیاہ کر اسلام آباد چلی گئی تھیں اب ہمدانی ولا میں صرف ایک ہی لڑکی بچی تھی اور وہ میں تھی یعنی نوال احمر۔

میری اس گھر میں حیثیت شروع دن سے واضح اور مستحکم تھی بقول تائی امی کہ لڑکے تو باہر نکلے رہتے ہیں "اس گھر کی ساری رونق نوال کے دم سے ہے۔ ابی تو مجھے بولتی مینا کہتے تھے۔ بابا جان کے لیے میں چابی والی گڑیا تھی جو چل پڑتی تو رکنا بھول جاتی تھی۔ اتنی بے تحاشا محبتیں پا کر بھی میرے من میں ہمیشہ ایک تشنگی سی برقرار رہتی۔ سیراب ہو کر بھی دل کو کسی کمی کا احساس رہتا اور یہ تھی احرار مبشر کی ذات کی بے گانگی اور بے رخی۔۔۔ جو کہ ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ وہ شروع سے ہی گھر میں سب سے ایک فاصلے پر رہے تھے۔

کبھی کبھی تو یوں لگتا تھا کہ کوئی اجنبی ہمدانی ولا میں رہ رہا ہے۔ وہ کبھی نہ کسی میں گھل مل کر بیٹھتے اور نہ کسی کو اپنی ذات میں بے جا مداخلت کی اجازت دی۔ ہمیشہ گھر کے مکینوں اور ان کے مابین تکلف کی ایک ان دیکھی دیوار حائل رہی۔ خود اپنے سگے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بھی وہ انتہائی تکلف سے بات کرتے تھے۔ بس ایک میں تھی جو انہیں بولنے پر اکساتی اور وہ میرے ساتھ کبھی تو اتنے فرینک ہو جاتے کہ مجھے اپنی خوش بختی پر ناز ہونے لگتا اور کبھی یکسر اجنبی اور لاتعلق بن جاتے جیسے جانتے تک نہ ہوں۔ وہ ایسے کیوں تھے؟ اس کا جواب فی الحال کسی کے پاس نہیں تھا مگر یہ ضرور تھا کہ سب ان سے بے حد مرعوب رہتے۔ ان کی بے حد شاندار شخصیت میں ایک عجیب سا سحر اور کشش تھی جو مقابل کو پل بھر میں تسخیر کر لیتی تھی اوپر سے ان کی بے نیازی اور لاتعلقی جیسے انہیں کسی سے غرض نہ ہو۔ اور یہی وہ انداز تھا جو انہیں ہزاروں میں ممتاز کرتا تھا۔

میٹرک تک میں نے ان سے مرعوب ہو کر ان کا خیال رکھا۔۔۔ ان کے جذبات 'احساسات کی پروا کی انہیں کیا پسند ہے۔ وہ کیا شوق سے کھاتے ہیں انہیں کون سا رنگ بھاتا ہے (یہ الگ بات کہ ہر رنگ بنا ہی ان کے لیے تھا) فرح آپی اور عفیرہ آپی ان کے ڈر سے ان کے کام کرتی تھیں گو کہ فرح آپی ان سے بڑی تھیں 'سال بھر مگر انہیں احرار مبشر کے غصے اور جلال سے بے حد خوف آتا تھا۔ ان کے صبیح ماتھے پر ہر وقت سلوٹوں کا جال بچھا رہتا ہے کم کرنے کی کوشش میں دونوں بہنیں ہلکان رہتیں۔

اور جب میں نے ان کی ذمہ داری آہستہ آہستہ اپنے سر لے لی تو وہ بے فکر سی ہو گئی تھیں۔ اب احرار بھائی کے شلوار سوٹ سے لے کر کف لنکس تک کے لیے نوال کو آواز پڑتی تھی گو کہ میں نے ان کی بے حد ڈانٹ بھی کھائی۔ کسی شے کو کھو دینے پر یا کسی شرٹ کو جلا دینے پر ان کی بڑبڑاہٹیں برداشت کیں مگر جانے کیوں مجھے ان کی ڈانٹ اور غصہ بھی برا نہیں لگا بلکہ اس عالم میں تو ان کی شخصیت مزید بارعب لگتی۔

"نوال تو چکنا گھڑا ہے "اس پر احرار کی کسی ڈانٹ کا اثر نہیں ہوتا عفیرہ آپی اکثر ہنس کر کہتیں ان کے خیال میں میرا اپنا بہن بھائی کوئی نہیں تھا اس لیے میں احرار بھائی سے اس درجہ قریب تھی تاہم میٹرک تک مجھے بھی یہی خوش فہمی تھی۔ میں یہی سمجھتی تھی کہ مجھے احرار بھائی اس لیے اتنے اچھے لگتے ہیں کہ میری پاس اپنا کوئی ذاتی رشتہ نہیں تھا۔ لیکن احرار بھائی ہی کیوں۔۔۔؟ باقی کزنز بھی تو تھے۔

میں نے ایف ایس سی فرسٹ ایئر کلیئر کیا تو احرار بھائی ان دنوں جاب اسٹارٹ کر چکے تھے۔ پہلے ان کی یونیورسٹی ٹائمنگ مجھے ازبر تھیں اور اب آفس ٹائمنگ۔ پھر ان ہی دنوں انہوں نے بتایا کہ ان کی کمپنی دو ماہ کے ایک کورس کے لیے انہیں جرمنی بھیج رہی ہے۔ کسی نے اعتراض نہیں کیا سوائے میرے۔

"احرار بھائی! آپ اتنے دن ہمارے بغیر رہ لیں گے، بھی اتنی دور" رات کو جب وہ پیکنگ کر رہے تھے تو میں ان

کے لیے کریم کافی بنا کر لے آئی۔

"اتنے دن۔۔۔ صرف دو ماہ کی تو بات ہے نوال!" سوٹ کیس میں اپنے استری شدہ کپڑے ترتیب سے رکھتے ہوئے وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"دو ماہ کم تو نہیں ہوتے۔۔۔ پورے ساٹھ دن۔" میں نے [illegible]

"کم آن نوال! لوگ دو دو سال ملک سے باہر رہتے ہیں اور تم دو ماہ کے لیے پریشان ہو رہی ہو۔" انہوں نے چند لمحوں کے لیے اپنا کام روک کر میرے مضطرب چہرے پر نظر ڈالی تو دبی مسکراہٹ ان کے لبوں کو چھو گئی۔

"آپ دو دن کے لیے اسلام آباد یا لاہور جائیں تو تب مجھے اچھا نہیں لگتا اور اب تو۔۔۔" میرا دل چاہا کہ ان کے تمام کپڑے سوٹ کیس سے نکال کر وارڈ روب میں لٹکا دوں۔

"اب تمہارے لیے میں اپنا کیریئر تو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ ویسے بھی ایسے مواقع بار بار تھوڑی ملتے ہیں۔" ان کی مسکراہٹ سمٹنے لگی مگر مجھے برا ماننے کی عادت ہی کہاں تھی۔

"اچھا۔۔۔ پھر آپ ہر روز فون تو کریں گے نا۔"

"نہ فون نہ میل۔۔۔ میرا نہیں خیال کہ مجھے اتنی فرصت ملے گی۔ کمپنی کا کورس ایک طرف خود میں بھی شاید مزید ڈپلومہ کورسز وغیرہ کے لیے ارادہ کرلوں۔ یہ تو وہاں جا کر پتہ چلے گا۔ اچھا تم میری اس شرٹ کا بٹن تو لگا دو گرنے ہی والا ہے۔" انہوں نے وارڈ روب سے بلیو شرٹ نکال کر میری طرف بڑھائی۔

"آپ مت کیجئے گا فون۔ میں کر لیا کروں گی۔" میں نے شرٹ تھامی۔

"نوال! اب تم بڑی ہو جاؤ۔ کالج گرل بن چکی ہو۔ بچکانہ حرکتیں چھوڑ دو" انہیں میری بحث کچھ اچھی نہیں لگی۔

"یہ بچکانہ پن نہیں ہے احرار بھائی بلکہ یہ۔۔۔ میں کچھ کہتے کہتے رک گئی۔۔۔

"تو پھر کیا ہے یہ؟"

"کوئی آپ کی پروا کرتا ہے۔ آپ کا خیال رکھتا ہے۔ آپ کے کام آ کر خوشی محسوس کرتا ہے تو کیا آپ کو اچھا نہیں لگتا۔"

"نہیں۔۔۔ میں اپنی وجہ سے کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری نیچر بہت اچھی ہے تم سب کا ہی خیال رکھتی ہو۔ میں بھی اس لیے تم سے اپنے کسی کام کے لیے کہہ دیتا ہوں لیکن نوال! اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم خود اپنی ذات کو میرے لیے پس پشت ڈال دو۔ ایک دو ہفتے ہی رہ گئے ہیں نا تمہارے فائنل ایگزام میں۔۔۔ اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔ کام تو ہوتے رہتے ہیں تم نہیں کرو گی تو کوئی اور کر دے گا۔"

وہ میرے رخسار ہولے سے تھپتھپا کر باہر ٹیرس پر ہولے گئے اور یہ پل بھر کا لمس میرے نوخیز وجود میں ارتعاش سا دوڑا گیا تھا۔ وہ مجھے سترہ سالہ بچی سمجھ کر ٹریٹ کرتے تھے۔ قصور ان کا نہیں تھا میں ان کے لیے بچی ہی تھی مگر میرا دل تو سرکشی پر اتر آیا تھا۔ مجھے اس لمحے پہلی بار ادراک ہوا کہ احرار مبشر میرے لیے کیا ہیں۔

☼ ☼ ☼

"نوال! بیٹا اب تو تمہاری چھٹیاں بھی ہو چکی ہیں 'تین چار ماہ کے لیے فارغ ہو۔ راول پنڈی کا چکر لگا آؤ اماں اور نزہت بھابھی کب سے یاد کر رہی ہیں تمہیں۔ عمیر کی شادی پر بھی نہیں گئی تھیں تم۔" وہ کافی دنوں سے مجھے راولپنڈی جانے کے لیے قائل کر رہی تھیں۔ رات تو نانو کا فون بھی آیا تھا۔ وہ اور نزہت ممانی مجھ سے سخت خفا ہو رہی تھیں کہ میں کس قدر بے مروت اور بے وفا لڑکی ہوں۔ اپنے ننھیال میں بھی میں اکلوتی لڑکی تھی۔ اس لیے نانو اور نزہت ممانی مجھ سے خاصی محبت کرتی تھیں۔ نزہت ممانی کے چھ بیٹے تھے۔ انہیں بیٹی کی شدت سے خواہش تھی مگر اللہ کی مرضی۔

میٹرک تک میں موسم سرما اور گرما کی چھٹیاں راول پنڈی میں ہی گزارا کرتی تھی تاہم اب دو سالوں سے میں راول پنڈی نہیں گئی تھی۔ ایک تو وقت نہیں ملا اور کچھ میرا اپنا دل بھی نہیں کرتا تھا۔ تین ماہ پہلے عمیر بھائی کی شادی ہوئی تھی تو میں نے ایگزیم کا بہانہ بنا دیا تھا۔

ویسے تو نانو کا بڑا سا حویلی نما گھر مجھے بے حد پسند تھا اور پھر میری اپنے کزنز سے بھی خاصی بنتی تھی۔ صرف عمار اور عمیر بھائی مجھ سے بڑے تھے۔ نانو اور ماموں نے عمیر کے لیے مجھے مانگا تھا لیکن بابا جان اپنی اکلوتی اولاد کو اتنی دور وداع کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ مما بھی ایسا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ میرے ددھیال میں بھی لڑکوں کی کمی نہ تھی۔ اس

لیے سہولت سے انکار کر دیا گیا تھا اور مجھے تو خیر اب احرار مبشر کے علاوہ کسی سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"میں تو ڈومینو میں ایڈمیشن لینے کا سوچ رہی ہوں مما اور بینش کہہ رہی تھی کہ وہ رنگون والا جوائن کر رہی ہے تو میں بھی شاید ارادہ بنا لوں ضروری تو نہیں مما کہ چھٹیاں یونہی بے کار مشغلوں میں گزار دی جائیں' اور پھر مجھے اپٹی ٹیوڈ ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی ہے۔" میں خاصی مدبرانہ کہہ رہی تھی' مما کو ہنسی آ گئی۔

"ارے واہ! میری بیٹی تو بڑی عقل مند ہو گئی ہے' لیکن چندا! ایک دو ہفتے کے لیے تو ریلیکس ہونا چاہیے۔ تم آ کر جوائن کر لینا۔"

"پتہ نہیں کیوں مما! میرا موڈ نہیں بن رہا۔" میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"ارے وہ کیوں ..... اماں کا گھر کون سا اجنبی ہے تمہارے لیے بچپن سے جا رہی ہو اور تمہیں یاد ہے پہلے تو تم واپسی کے لیے بھی مشکل سے رضامند ہوتی تھیں۔"

"وہ پہلے کی بات تھی۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔"

"اتنی بھی بڑی نہیں ہوئی ہو' سترہ اٹھارہ سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔"

"مما! آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ لڑکیوں کو میچور اور سوبر ہونا چاہیے۔ پہلے میں پنڈی جاتی تھی تو علی' زیب' کاشی اور بنی کے ساتھ خوب کھیلا کرتی تھی' کبھی بیڈمنٹن' کبھی کرکٹ' کبھی سائیکلنگ تو کبھی فٹ بال' ہم لوگ ہر وقت غل غپاڑہ مچائے رکھتے تھے اور اب بھلا میں ایسی حرکتیں کرتی اچھی لگوں گی پھر وہاں کوئی لڑکی بھی نہیں ہے۔ میں بور ہو جاؤں گی۔"

"یہ بھی ہے لیکن نزہت بھابھی اور اماں کو کون سمجھائے۔ میں تو تمہارے بابا جان کی وجہ سے نہیں جانا چاہتی۔ جب سے انہیں بلڈ پریشر کی شکایت ہوئی ہے۔ ان کی غذا میں خاصی احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ نمک اور گھی تو کثرت سے استعمال ہوتا ہے ہمارے گھر میں۔ اس لیے اب میں ان کے لیے بغیر نمک کے سالن بناتی ہوں اگر میں چلی گئی تو ان کی روٹین ڈسٹرب ہو جائے گی۔"

"ہم اگلی ووکیشن میں چلے جائیں گے۔" میں نے ٹالنا چاہا۔

"پھر تو پانچ سالوں کے لیے بزی ہو جاؤ گی تم میڈیکل کی ٹف روٹین میں۔ کہاں ٹائم ملے گا۔"

"اوہ مما! دعا کریں کہ میری میڈیکل کے لیے پرمننٹ بیج بن جائے۔ کتنا کریز ہے مجھے ڈاکٹر بننے کا۔ ان شاء اللہ میں تو ہارٹ سرجن بنوں گی۔" ہارٹ سرجری میں اسپیشلائزیشن میری زندگی کا سب سے بڑا خواب تھی۔

"ان شاء اللہ ..... میری بیٹی نامور سرجن بنے گی۔" مما نے جھک کر میری پیشانی چومی تو ممتا کا راحت جان احساس میری رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

✡ ✡ ✡

دودھ کو ابال آ گیا تھا۔ میں نے برنر آف کر کے چائے بنانے کی غرض سے پانی اسٹوو پہ رکھا۔ وال کلاک کی سوئیاں چھ بجنے کی اطلاع دے رہی تھیں۔ عموماً گرمیوں میں شام کی چائے نہیں لیتے تھے تاہم احرار مبشر کے لیے چائے زندگی کی طرح لازم و ملزوم تھی۔ پتہ نہیں وہ چائے کے اس قدر رسیا کیوں تھے۔

دیگر چھوٹے موٹے کاموں کی طرح چائے کی ذمہ داری بھی میرے سر تھی۔ اس لیے میں بے تابی سے اس کی آمد کی منتظر رہا کرتی تھی' تاکہ ان کی تھکان کو لحظہ بہ لحظہ اپنی نگاہوں کے سامنے اترتا محسوس کروں۔ ان کی وائٹ سوک کا مخصوص ہارن بجا تھا۔ جہازی سائز مگ میں چائے انڈیل کر میں نے چھوٹی ٹرے میں مگ رکھا اور سنک پر جھک کر ہاتھ منہ دھونے لگی جب ہی تائی امی چلی آئیں۔

"نوال! چائے بنالی تم نے۔" تائی اماں نے معمول کا جملہ دہرایا۔

"جی..... لے ہی جا رہی ہوں۔"

"لاؤ..... میں لے جاتی ہوں۔" انہوں نے ٹرے اٹھائی تو ایک پل کے لیے میرے ہاتھ نل پر جمے تھے۔ ان کی کوشش عجیب نہیں غیر متوقع ضرور تھی۔

"جی لے جائیں۔" مجھے اعتراض تھا بھی تو کہنا کس سے تھا۔

"اسٹینڈ پر میں نے احرار کا براؤن شلوار قمیص رکھا ہے۔ پریس کر دو۔ صبح کہہ کر گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا' [illegible] بھی ساتھ ہی رکھا ہے۔" وہ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

آج دو باتیں بالکل غیر متوقع ہوئی تھیں۔ ایک تو احرار نے میرے بجائے تائی امی سے کپڑے پریس کرنے کے لیے کہا تھا اور دوسرے تائی امی جو اس وقت عموماً

محض ٹی وی کے سامنے جم کر بیٹھتی تھیں۔ آج خود اپنے بیٹے کے لیے چائے لے کر گئی تھیں۔ وہ ان کی ماں تھیں۔ مگر میں نے اپنے ہوش میں کم از کم انہیں بلاوجہ اپنی اولاد کے پیچھے ہلکان ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

چائے وہ لے کر جائیں یا میں' فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس لیے میں کندھے اچکا کر لاؤنج میں رکھے آئرن اسٹینڈ کے پاس چلی آئی۔ سامنے ہی احرار مبشر کا کاٹن کا سوٹ رکھا تھا۔ جس پر جما جما کر استری کرنا دشوار امر تھا لیکن مجھے ان کے کام کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی اور یہ خوشی اس وقت غارت ہو گئی' جب عظام' اریب اور ضمیر بھی مجھے اپنے اپنے سوٹ تھما گئے۔ چچی کو بھی چچا کے دو شلوار قمیص کا دھیان آ گیا اور میری ٹانگیں ہی نہیں ہاتھ بھی جواب دے گئے تھے گو کہ صفائی اور کپڑوں کی دھلائی کے لیے ملازمہ تھی' پھر بھی کچن کا کام کر کے اور ملازمہ کی نگرانی کرتے ہی میں تھکاوٹ کا شکار ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات تو مما میرا ہاتھ بٹا دیتیں مگر تائی امی کے تو اپنے ہی بکھیڑے کافی تھے۔

"اریب کے بچے! خود کرو اپنے کپڑے پریس..... میں تمہاری نوکر لگی ہوئی ہوں۔" میں نے دہائی دی۔

"کر دو یار! احرار بھائی تمہیں جتنی تنخواہ دیتے ہیں میں اس سے دگنی دے دیا کروں گا۔ بشرطیکہ تم میری بھی اتنی ہی خدمتیں کرو۔" منہ پھٹ اور بدلحاظ سا اریب چچی کے سامنے کہہ گیا۔ میں دانت کچکچا کر رہ گئی' اوپر سے چچی کی معنی خیز نظریں۔

"اب احرار کی طرح تو نہیں ہوتا ہر کوئی۔"

"کیوں ان میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔" اریب نے منہ بنایا' پتہ نہیں کیوں میں نے نوٹ کیا تھا کہ اریب احرار بھائی سے کچھ زیادہ ہی چڑتا تھا۔ چچی ایک اور معنی خیز نظر مجھ پر ڈال کر باہر نکل گئیں۔

"جو بات احرار بھائی میں ہے وہ تم میں ہو ہی نہیں سکتی۔" میں نے جز بز ہو کر کہا۔

"ہونہہ..... احرار بھائی کو تو عادت ہے شو کرنے کی اور تم ان کی مریدنی۔"

"خبردار! جو احرار بھائی کو کچھ کہا۔"

"کیوں..... تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"بس مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی انہیں کچھ کہے۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں محترمہ کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے سے تمہاری شان کیوں گھٹنے لگتی ہے۔"

"تم احرار بھائی سے جیلس ہوتے ہو؟"

"ان میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں جس کی بنا پر میں ان سے جیلسی فیل کروں۔"

"چہ چہ..... ان کے پاسنگ بھی نہیں ہو تم اور پھر بھی اتنا اکڑ رہے ہو۔"

"ڈیم اٹ..... کوئی ایک کوالٹی تو گنواؤ۔" وہ اڑ گیا۔

"وہ تم سے زیادہ ڈیسنٹ' ڈیشنگ' ہینڈسم' سوبر' ڈیل بیٹرڈ اور ایک کوالیفائڈ انجینئر ہیں جبکہ تم..... ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں یونیورسٹی جوائن کیے۔"

"وہ مجھ سے پانچ سال سینئر ہیں میں جب تک ان کی ایج تک پہنچوں گا۔ ایک کوالیفائڈ انجینئر تو میں بھی بن چکا ہوں گا۔"

"پھر بھی احرار بھائی تم سب سے یونیک ہیں۔"

"ہاں..... دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہیں۔"

"اریب! تم بدتمیزی کر رہے ہو....." مجھے غصہ آ گیا۔

"کیا ہو گیا بھئی....." اسی وقت وہ سیڑھیوں سے نیچے اترے۔

"یہ اریب اسٹوپڈ....." مجھے کچھ نہ سوجھا تو میں نے اس کے کپڑے اس کے منہ پر دے مارے۔

"ہونہہ..... دوسروں کی تو بڑے ذوق و شوق سے خدمتیں ہوتی ہیں۔" وہ پاؤں پٹخ کر اپنے کمرے میں چلا گیا احرار بھائی نے حیرت سے اسے دیکھا مگر اگلے ہی پل وہ یکسر لاتعلق بن گئے۔

"نوال! میرے کپڑے پریس ہو گئے؟"

"جی....." میں نے ہینگ شدہ کپڑے ان کی طرف بڑھا دیے۔

"چائے تم نے بنائی تھی؟"

"ظاہر سی بات ہے میں ہی بناتی ہوں۔" اب کے میں حیران ہوئی۔ "کیوں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں....." انہوں نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی اور واپس پلٹ گئے۔

یہ آج کی شام کی تیسری عجیب بات تھی۔

✡ ✡ ✡

لان میں بھرپور ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ عظام اور ضمیر گھٹنوں تک جینز فولڈ کیے فٹ بال کی شامت لے آئے تھے تو اریب اور صدام کو جانے کیوں پتنگ بازی کا شوق لاحق ہو

گیا تھا۔ ہنگامہ خیز تو میں بھی کافی تھی مگر ان دنوں تو جیسے سب کچھ بھولی ہوئی تھی۔ انہیں بھرپور انداز میں سہانی شام انجوائے کرتے دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا اور اریب کی جان کھانے پہنچ گئی کہ مجھے بھی پتنگ بازی کا ہنر سکھائے۔

"یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔" صدام بڑی مشاقی سے مانجھا لپیٹ رہا تھا۔

"تم چپ رہو میں اریب سے بات کر رہی ہوں۔" میں نے دو سال بڑے ہونے کا رعب جمایا۔

"اریب تو جیسے ابھی تمہیں اپنی شاگردی میں لے لے گا۔" اس نے مضحکہ اڑایا۔

"کیوں اریب! تم مجھے پتنگ اڑانا نہیں سکھاؤ گے؟"

"یار! یہ تم پر سوٹ نہیں کرے گا تم تو بس گھریلو سے حلیے میں اچھی لگتی ہو۔" اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔

"وہ بگ باس کہاں ہیں آج؟ گھر پر نہیں ہیں؟" معاً اسے احرار کا خیال آیا۔

"وہ آج لیٹ آئیں گے۔"

"بہت خوب..... تمہیں ان کی چمچی بے وجہ تو نہیں کہتے ہم لوگ، سارا شیڈول تمہارے علم میں ہوتا ہے۔"

"تم فضول باتیں کرنے کے بجائے مجھے پتنگ اڑانا سکھاؤ۔" میری تیوری چڑھ گئی۔

"ویسے نوال.....!" پتنگ ایک طرف کھسکا کر اس نے نگاہیں مجھ پر جمادیں۔ "یہ تم احرار بھائی سے اتنی متاثر کیوں رہتی ہو؟"

"تم مجھے بتاؤ..... تم ان سے اتنا جیلس کیوں ہوتے ہو؟"

"اس کی ایک وجہ ہے۔"

"وہی پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے تمہارا ان کے لیے اتنا پوزیسو ہونا کبھی پسند نہیں رہا۔" میں نے بے ساختہ لب بھینچ لیے۔

"وہ کیوں....." قدرے توقف کے بعد سوال کیا تھا۔

"تم احرار بھائی کو پسند کرتی ہو نا؟" اریب مجھ سے محض دو برس بڑا تھا اس کی یہ بے تکلفی مجھے پسند نہیں آئی۔

"وہ اس قابل ہیں کہ انہیں پسند کیا جائے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی پسند کرتی ہو۔"

"ہاں تو پھر....." مجھے غصہ آنے لگا۔

"تم لوگوں کے درمیان خاصا ایج ڈفرنس ہے نوال!"

"اریب! کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کچھ نہیں..... تم یہ پتنگ پکڑو۔" میرا موڈ بگڑتے دیکھ کر اس نے بات بدل دی۔

"اب رہنے دو..... میرا موڈ نہیں رہا۔" میں اریب کی نگاہوں میں اپنے لیے پسندیدگی کے رنگ دیکھ چکی تھی اور ایسا محض چند ماہ سے ہی ہوا تھا ورنہ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ یہ بات مجھے بالکل پسند نہیں آئی تھی اس لیے میں اریب سے چڑنے لگی تھی۔

"تم پنڈی کیوں نہیں گئیں؟"

"یونہی....." اس کی گہری نظروں سے خائف ہو کر میں اٹھ گئی۔

"ایک شخص کا اس قدر عادی بنا لیا ہے تم نے خود کو کہ تمہاری اپنی زندگی بے معنی ہو کر رہ گئی ہے نوال! مجھے لگتا ہے تم میں سے پہلے والی نوال کہیں کھو گئی ہے۔" وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر میرے ساتھ چلنے لگا۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" میں راستہ بدل گئی۔

اس کی آنکھوں کی جوت مدھم پڑ گئی تھی۔ وہ کاریڈور کے کنارے تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں ڈومینو میں ایڈمیشن لے چکی تھی۔ روٹین میں زیادہ فرق نہیں پڑا تھا۔ شام کے اوقات میں، میں اور بینش رنگون والا سے سیونگ اینڈ کٹنگ کی کلاسز لینے لگی تھیں جو کہ ہفتے میں دوبار ہی ہوتی تھیں۔ ابھی ہفتہ ہی ہوا تھا مجھے کلاسز جوائن کیے جب تائی امی کی زبانی علم ہوا کہ تانیہ ایک دو ہفتوں کے لیے اپنی خالہ کے گھر آرہی ہے یہ خبر سنتے ہی میں بدمزہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

تانیہ گو کہ عظام کی کلاس فیلو ہی تھی مگر ڈیڑھ سال بڑی تھی اس سے..... میٹرک میں وہ بیمار ہو گئی تھی اس لیے اس نے ایک سال کا گیپ دیا تھا۔ شکل و صورت اچھی خاصی تھی اس کی۔ خاص کر اس کی گوری رنگت کے سامنے میری گندمی رنگت ماند پڑ جاتی تھی اور پھر اسے اپنی خوب صورتی پر ناز بھی بہت تھا۔ تائی کے زیادہ تر رشتے دار سعودیہ وغیرہ میں رہتے تھے۔ صرف تانیہ لوگوں کی ہی فیملی قریب تھی لہٰذا وہ ہر چھ ماہ یا سال بعد ہمارے ہاں ولا کا لازمی چکر لگاتی تھی۔ بچپن میں ہم دونوں کی پھر بھی بنتی تھی، تاہم اب وہ خود کو کوئی توپ شے سمجھنے لگی تھی۔ اس لیے میں خود ہی

پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"ابھی تو آئی تھی وہ۔" میں نے دل میں کہا۔ چھ ماہ پہلے وہ تائی امی کی طبیعت کی خرابی کا سن کر اپنی امی کے ساتھ آئی تھی۔

"بہت محبت کرتی ہے نا مجھ سے..... اپنی ماں سے زیادہ اسے میری فکر رہتی ہے۔"

تائی امی حلاوت سے کہہ رہی تھیں اور میں نے سوچا اپنے آٹھ عدد بہن بھائیوں میں سے اپنی ماں کی فکر کرنے کی حاجت کیونکر ہو گئی۔ اس کی ماں بھی غالباً" اس سے عاجز ہی رہا کرتی تھیں اس لیے بڑے آرام سے بڑی خالہ کے گھر بھیج دیا کرتی تھیں۔ پہلے تو اس کی بہنیں بھی ساتھ آتی تھیں مگر اب وہ زیادہ تر اکیلی ہی آتی تھی۔

"گیسٹ روم سیٹ کر دینا اس کے لیے۔ بڑی نفاست پسند طبیعت کی مالک ہے۔ ذرا سا گرد و غبار برداشت نہیں ہوتا۔" تائی امی یوں بتا رہی تھیں، جیسے موصوفہ پہلی بار تشریف لا رہی ہوں۔

"جی اچھا..... " میں نے سر ہلایا گو کہ بعد میں مما سے ڈانٹ بھی پڑی کہ یہ کام وہ آسیہ (ملازمہ) سے بھی کروا سکتی تھیں مگر میں کیا کرتی، مجھے ہی ہر وقت ملازمہ بننے کا شوق لاحق رہتا تھا۔

"نوال! تم اس گھر کی اکلوتی لڑکی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تر ذمہ داری بھی تم پر ہی عائد ہوتی ہے۔ تم دوسروں کے کام آیا کرو۔ یہ اچھی بات ہے مگر انہیں اپاہج مت بناؤ۔ جو کام دوسرے خود بھی کر سکتے ہیں انہیں خود کرنے دیا کرو۔ حد ہوتی ہے احمقانہ پن کی۔" مما جانے کیوں آج اتنے غصے میں آ گئی تھیں۔ میں غلطی پر تھی، اس لیے لب چبا کر رہ گئی۔

"اب بھابھی بیگم کی بھانجی آ رہی ہے تانیہ! خبردار جو تم اس کے آگے پیچھے پھریں۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں، مجھے خود وہ لڑکی پسند نہیں۔"

"کیوں؟"

"خاصی خود پسند اور موڈی سی ہے۔"

"ہے تو۔ مگر تمہاری تائی امی اس کے سامنے بھی تم پر اسی طرح حکم چلایا کریں گی۔ اگر انکار کرو گی تو بدتمیز کہلاؤ گی اور اگر تانیہ کی سیوا کرنے لگ گئیں تو خود ہی مذاق بناؤ گی اپنا۔" وہ آج بالکل خالص ماؤں والی باتیں کر رہی تھیں۔

مجھے ہنسی آنے لگی۔

"مما! ڈونٹ وری..... نوال احمد سادہ ہے، بے وقوف نہیں۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری ورنہ میں تمہیں جانتی نہیں ہوں۔" انہوں نے میرے سر پر چپت رسید کی۔

"یعنی کہ آپ اپنی بیٹی کو بے وقوف سمجھتی ہیں۔" مجھے صدمہ ہوا۔

"وہ اگر بے وقوف ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں میری جان! یہ دنیا بہت مطلبی ہے مطلب نکلتے ہی آنکھیں پھیر لینا اس کا وتیرہ ہے۔ میں تمہیں بدگمان نہیں کر رہی۔ حقیقت بتانے کی کوشش کر رہی ہوں اور احرار کے کاموں سے بھی تمہیں اب دھیرے دھیرے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ کل کلاں کو اس کی بیوی آ جائے گی تو تمہاری بے جا مداخلت اسے ناگوار گزرے گی۔"

"بیوی۔" میرے حلق میں جوس اٹکنے لگا۔

"ہاں..... بھابھی بیگم آج کل شد و مد سے اس کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ تقریباً" اٹھائیس کا تو ہو گیا ہے اور پھر ضمیر بھی ہے۔ اس لیے اچھا ہے احرار کی شادی ہو جائے۔ اس کی بیوی گھر میں آ جائے گی تو تمہیں بھی آسانی ہو جائے گی۔ پھر آگے تو تمہیں ذرا سا وقت نہیں ملے گا۔" مما اور بھی جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں اور میں بالکل سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ اس نہج پر تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا احرار مبشر کی شادی ظاہر ہے آج یا کل ہونا ہی تھی۔ مگر میں۔ میرے اندر جو اتنا سناٹا پھیل گیا تھا۔

"احرار مبشر کی بیوی..... " میں نے آدھا گلاس یونہی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟ پی کیوں نہیں رہیں..... ختم کرو اسے۔ اسی لیے صحت کا بیڑہ غرق کر لیا ہے۔ رنگت بھی کیسی زرد ہو رہی ہے۔"

"بس مما! میرا دل بھر گیا ہے۔" میں ان کے سامنے سے اٹھ گئی۔

"اتنی جان کھپاتی ہو سارا دن اور خوراک چڑیا جتنی ہے۔ اللہ نے ایک ہی بیٹی دی اور..... " مما کا موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔ میں ان سنی کر کے ٹیرس میں نکل آئی۔ سامنے وہ اپنی وائٹ سوک کے پاس کھڑے ارشد کو ہدایات دینے میں مگن تھے۔ لائٹ براؤن ڈریس پینٹ اور آف وائٹ شرٹ میں براؤن کوٹ مخصوص انداز میں بازو پر ڈالے

مجھے اپنی دسترس سے بے حد دور محسوس ہوئے۔ میرا اور ان کا جوڑ قطعی نہیں بنتا تھا۔

"تم لوگوں کے درمیان خاصا ایج ڈفرنس ہے نوال۔" اریب نے کہا تھا اور یہ حقیقت تھی مجھ سے تو ضمیر اور اریب بھی بڑے تھے جبکہ عظام میرا ہم عمر تھا۔ ایسے میں احرار مبشر کی گنجائش کہاں نکلتی؟ پتہ نہیں میں ان سے مرعوب تھی، متاثر تھی یا ان سے محبت کرنے لگی تھی؟ میرا ذہن ایک نئی الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ ہم بہت سے لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔ بہت سوں سے متاثر ہوتے ہیں اور اکثر ہمارے لیے بہت اہم بھی ہوتے ہیں، تاہم محبت تو کسی ایک شخص سے ہوتی ہے۔ احرار مبشر کو بہت سے لوگ پسند کرتے تھے۔ بہت سی لڑکیاں ان پر پروانہ وار نثار تھیں۔ اکثریت ان سے متاثر ہو کر مرعوب رہتی مگر محبت..... پسندیدگی میں شدت ہو تو وہ محبت بن جاتی ہے اور میں محض پسند نہیں کرتی تھی انہیں۔

ہاں! سترہ سالہ نوال احمد خود سے گیارہ سال بڑے احرار مبشر کو فقط پسند نہیں کرتی تھی۔ ان سے محبت کرتی تھی۔ بے حد، بے تحاشا..... اور پسندیدہ شے کسی کو دان کی جا سکتی ہے پر محبت نہیں اور میں تو شروع سے بہت پوزیسو رہی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے میں نے سوچا کہ نوال بے وقوف اور احمق ہو سکتی ہے۔ پاگل ہرگز نہیں۔

احرار اب کاریڈور کی سیڑھیاں چڑھ کر میری طرف آ رہے تھے۔ انہیں میری طرف ہی آنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تائی امی! گیسٹ روم میں نے سیٹ کر دیا ہے۔ آپ ایک نظر دیکھ لیں واش روم میں ٹاول اور سوپ وغیرہ بھی رکھوا دیے ہیں۔" میں نے الجھے ہوئے بالوں کو کیچر سے آزاد کرتے ہوئے میں نے لاؤنج میں قدم رکھا، تائی امی صوفے پر بیٹھی احرار سے جانے کیا ڈسکس کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر یک لخت خاموش ہو گئیں۔ کئی دنوں سے ان کی سرگرمیاں قدرے مشکوک سی لگنے لگی تھیں۔ اب تو اکثر احرار کے ساتھ بیٹھی نظر آتیں۔ احرار کے ماتھے کی سلوٹیں بھی ذرا کم رہنے لگی تھیں۔

"کوئی آ رہا ہے کیا؟" احرار نے سرسری سی نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر وہ حامد میر کے کیپٹل ٹاک۔ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں۔ وہ تانو آ رہی ہے، تمہاری چھوٹی خالہ کی بیٹی۔ میں نے کل بتایا تو تھا تمہیں۔" تائی امی جوش سے بتانے لگیں۔

"ہوں۔" وہ بے دھیانی سے بولے۔

"میں نے ہی بلایا ہے اسے، کافی مہینے ہو گئے ہیں، خود بھی کہہ رہی تھی کہ خالہ جانی میرا بہت دل چاہ رہا ہے آپ سے ملنے کو، پہلے تو عالیہ بھی آ رہی تھی مگر پھر منع کر دیا۔"

"ہاں تانیہ باجی بہت انیچ ہیں تائی امی سے۔" میں من میں کلستے مگر بظاہر مسکراتے ہوئے بولی۔

"تانیہ باجی۔ وہ تمہاری باجی کب سے ہو گئی۔" تائی امی نے اچنبھے سے مجھے دیکھا اور یہ حیرت اس لیے تھی کہ آج سے پہلے میں نے اسے کبھی عزت و احترام کے قابل نہیں سمجھا تھا۔

"پورے سوا تین سال بڑی ہیں مجھ سے تو باجی ہی لگیں گی نا۔"

"ہاں..... مگر تانیہ کو پسند نہیں، ویسے دیکھنے میں تو تم سے بھی کم عمر لگتی ہے۔"

"ان کی ہائٹ مجھ سے کم ہے نا اس لیے اور کم ہائٹ والی لڑکیوں کو یہی فائدہ تو ہوتا ہے، کم عمر دکھائی دیتی ہیں۔"

"اب اتنی بھی کم نہیں ہے۔" تائی امی بھانجی کی محبت سے مغلوب ہو کر کہہ گئیں، ورنہ میری ان سے کافی بنتی تھی۔

"پلیز! میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔" احرار نے سرزنش کی۔

"یہ نوال بہت بولتی ہے۔ جاؤ کچن میں جا کر دیکھو، قیمہ گل گیا ہے۔ رات میں ہی کباب بنا کر فریز کر دوں گی۔ صبح دس بجے تک آ جائے گی تانیہ۔ آنچ ہلکی کر دینا۔ میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔"

"ہونہہ..... تانیہ، تانیہ، تانیہ..... سب جانتی ہوں میں کس لیے اس کے ناز نخرے اٹھائے جا رہے ہیں اور وہ امریکی بلی..... اسے تو میں دیکھ لوں گی۔" میں برا سا منہ بنا کر کچن میں چلی آئی اور قیمے کے نیچے برنر کی آنچ مزید تیز کر کے اپنے کمرے میں کھسک گئی۔

"تمہیں تو میں کھلاتی ہوں، شامی کباب۔" ایم کیٹ کی بھاری بھرکم بک اٹھاتے ہوئے میں جل کر بولی تھی پھر مجھے اپنی جیلسی پر ہنسی بھی آ گئی۔ دس منٹ بعد تائی امی کی دہائی میرے کانوں میں پڑی۔

"نوال کی بچی کو کہا بھی تھا کہ آنچ ہلکی کردے۔ سارے کا سارا قیمہ جل کر کوئلہ ہو گیا۔ ہائے۔۔۔ کلو بھر قیمے کا ستیا ناس کردیا۔ کہاں گئی وہ بدتمیز لڑکی۔"

اور بدتمیز لڑکی نے جھٹ کمرے کی چٹخنی چڑھادی' تائی امی کا لمبا چوڑا لیکچر سننے کا یارا۔ نہیں تھا مجھ میں اس لیے ساڑھے نو بجے ہی بستر سنبھال لیا۔ اس رات مجھے بہت ہنسی آئی بغیر کوئی مزاحیہ کتاب پڑھے۔

☆ ☆ ☆

آج میرا ارادہ انسٹی ٹیوٹ سے آف کرنے کا تھا۔ تانیہ صاحبہ کے استقبال کے لیے نہیں بلکہ میں اس کی آمد سے پہلے پہلے تائی امی کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ خوب نیند پوری کر کے میں نے گیارہ بجے آسیہ سے ناشتہ منگوایا۔ کتنے دنوں بعد میں نے ملازموں والا چولا اتار پھینکا تھا۔ آج تو احرار کو بھی بیڈ ٹی نہیں دی تھی۔ جس کا مجھے قلق تو ہوا مگر پھر سوچا کہ کبھی کبھی اہمیت بھی جتانی چاہیے۔

مما کا موڈ کل کی نسبت بہتر تھا۔ اس کا اندازہ مجھے آسیہ کے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے دیکھ کر ہوا۔ سنکے ہوئے سلائس' مارجرین' جیم اور دودھ پتی کا مگ۔۔۔

"آہا۔۔۔ سواد آگیا۔۔۔ جیو میری ماں!" میں نے خوب طمانیت سے ناشتہ کیا۔ آسیہ میرے کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

"اے آسی! سنو۔" میں نے ٹشو سے چہرہ رگڑا۔

"جی بی بی۔۔۔"

"وہ تائی امی کی بھانجی صاحبہ تشریف لے آئی ہیں یا نہیں۔"

"کون تانیہ بی بی۔۔۔ وہ تو جی سویرے ہی آگئی تھیں۔"

"سویرے؟"

"ہاں۔۔۔ میرا مطلب ہے' ساڑھے نو بجے آگئی تھیں۔"

"اکیلی آئی ہیں؟"

"ہاں جی کلی آئی ہیں۔"

"کیسی لگ رہی تھیں وہ؟"

"اوبی بی جی! آپ نے دیکھا نہیں اسے' اتنا پیارا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ قسم سے بڑی سوہنی لگ رہی تھیں۔" آسیہ خاصی حسن پرست تھی۔ آنکھیں میچ کر اس کی مزید خصوصیات گنوانے لگی۔ میں نے ٹوک دیا۔

"اچھا۔۔۔ اب بس کرو' تم تو شروع ہی ہو جاتی ہو۔"

"لو بی بی جی۔۔۔ خود ہی تو پوچھا تھا۔" اس کا منہ۔۔۔ مجھے اس کے منہ کی نہیں اپنے حلیے کی فکر لگ گئی۔ جھنکاڑ بال۔۔۔ جنہیں میں زیادہ تر باندھے رکھتی۔ پارلر کا منہ دیکھے مہینوں ہو گئے تھے۔

"اوہ نو۔۔۔ اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا مگر کیوں تانیہ بی بی سے کمپیئر کر رہی ہوں خود کو۔" میں ڈھیلے ڈھالے لباس کی سلوٹیں درست کر کے پیروں میں چپل اڑسی۔

"نوال احمر تو نوال احمر ہے۔" پھر آسیہ کو برتن سمیت باہر دفعان کر کے میں نے کاٹن کا پرنٹڈ سوٹ وارڈ روب سے نکالا۔

"بات تائی امی کی پسندیدگی کی نہیں احرار مبشر کی ہے۔۔۔ اور وہ تو مجھے اسکول گرل سمجھ کر بچیوں والا ہی بی ہیو کرتے ہیں میرے ساتھ۔ میں واقعی خاصی حد تک بے وقوف ہوں' احرار تو آج بھی میرے روٹھ جانے پر مجھے لالی پاپ دلا دیں گو کہ انہیں منانے کی عادت نہیں۔ ہاں۔۔۔ نوال بی بی! بندے کو واقعی اتنا بھی سر نہیں چڑھانا چاہیے۔" میں سرد آہ بھر کے شاور لینے واش روم میں گھس گئی۔ دس منٹ بعد باہر آئی تو مما میری منتظر تھیں۔

"نوال! آج تو حد کردی تم نے۔۔۔ اتنا سوئیں۔ بھابھی بیگم کے تو ہاتھ نہیں لگیں تم رات سے۔"

"کیوں؟ کیا ہوا۔" میں نے معصومیت کے ریکارڈ توڑتے ہوئے پوچھا۔

"رات انہوں نے تم سے کہا تھا کہ برنر آف کرو۔ تم نے مزید تیز کردیا۔ قیمہ بالکل کوئلہ ہو گیا تھا۔"

"اوہ۔۔۔ پھر تو انہوں نے اپنی لاڈلی بھانجی کے لیے کباب نہیں بنائے ہوں گے۔"

"کباب کہاں سے بنتے۔۔۔ لنچ کے لیے بھی کچھ خاص تیاری نہیں کی تھی۔ میں نے اور صفیہ نے ایک دو چیزیں بنائی ہیں بار بار تمہیں یاد کر رہی تھیں بھابھی بیگم! میں نے کہا کہ اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ کہنے لگیں اسی لیے رات جلدی سو گئی۔۔۔ تمہارے لیے آملیٹ' دودھ لے کر آرہی تھیں میں نے منع کردیا۔"

"اوہ مائی گریٹ تائی امی!۔۔۔ میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے میں تو بس آپ کی بھانجی۔۔۔ مما! ابھی کیا کررہی ہیں تانیہ صاحبہ؟" میں نے تولیہ میں بال لپیٹ کر ڈریسنگ ٹیبل سے فیس لوشن اٹھایا اور ان کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"بھابھی بیگم کے پاس ہی بیٹھی ہے۔"

"اسے ریسیو کرنے کون گیا تھا؟"

"ضمیر اور عظام گئے تھے۔"

"دونوں؟"

"ظاہر سی بات ہے' دونوں ہر جگہ ساتھ ساتھ ہی جاتے ہیں۔"

"اریب تو یونیورسٹی گیا ہو گا۔"

"ہوں۔۔۔ اچھا ہوا' تم نے یہ ڈریس پہن لیا میں بھی تم سے یہی کہنے لگی تھی۔ اوکے اب جلدی آجانا۔"

"آرہی ہوں بس۔۔۔" مما اٹھ کر گئیں تو میں بال سلجھانے لگی۔ ذہن تانیہ کے گرد ہی گھوم رہا تھا۔ پھر پرفیوم اسپرے کر کے میں نیچے چلی آئی' تائی امی اور وہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام' وہ پرجوش لہجے میں کہتی والہانہ انداز میں میری طرف بڑھی۔

"کیسی ہو۔ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔ خالہ امی کہہ رہی تھیں کہ تمہیں ٹمپریچر ہو گیا تھا۔" وہ میرے رخسار پہ بوسہ دیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ جبکہ میں تو حق دق رہ گئی تھی۔ یہ تانیہ کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ اتنی خوش مزاج اور مہذب تو کبھی بھی نہیں رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں' تم سناؤ؟" اپنا بھاڑ سا منہ بند کر کے میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں ایک دم فرسٹ کلاس ہوں۔۔۔ پیپرز کیسے ہوئے تمہارے؟"

"اچھے ہوئے ہیں۔" وہ صوفے کی طرف بڑھی تو میں اپنی حیرانی پر قابو پاتی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ مجھے اس کے بدلے رویے نے بہت حیران کیا تھا۔ چھ ماہ میں اتنا بدل گئی تھی وہ۔ جانے کیوں مجھے اس کی یہ خوش اخلاقی ہضم نہیں ہوئی تھی۔ چند باتوں کے بعد میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ تمہارے مزاج میں اتنی حیرت انگیز تبدیلی کیسے آگئی' میری بات سن کر وہ یکدم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ یہ بھی نیا اضافہ تھا۔ کیونکہ چھ ماہ پہلے تک تانیہ سرور اور ہنسی دو مختلف چیزیں تھیں۔

"لو۔۔۔ تم نے بھی یہ بات کردی۔ آج کل تو جسے دیکھو' مجھ سے یہی سوال پوچھ رہا ہے ویسے آپس کی بات ہے۔ مجھے خود بھی بڑی حیرت ہوتی ہے۔"

"شاید تم نے اخلاقیات کا کوئی کورس اسٹارٹ کیا ہے؟"

"نہیں یار! میں تو جنرل اسٹڈیز میں ماسٹرز کا ارادہ رکھتی ہوں۔" وہ میرے زانو پر ہاتھ مار کر آنکھ میچ کر مسکرائی۔ پھر ادھر ادھر کی باتوں میں میرا سوال ٹال گئی' جو کہ ہنوز میرے چہرے پر استعجاب کی صورت رقم تھا۔

☆ ☆ ☆

سیاہ پرنٹڈ سوٹ بلاشبہ اس کی گوری رنگت پر بے حد کھل رہا تھا۔ ہلکے گلابی میک اپ میں بالوں کا اونچا سا ہیر اسٹائل بنائے وہ اپنی پھپھو کے گھر جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ اس کی بڑی پھپھو چند ماہ پہلے ہی بہاول پور سے کراچی شفٹ ہوئی تھیں۔ اولاد میں ان کی پانچ بیٹیاں ہی تھیں جن میں سے تین شادی شدہ تھیں۔ مزنہ اور خزینہ سے اس کی بے تکلفی نہیں تھی تاہم اب وہی بات ہو گئی کہ بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔۔۔ کل رات اس نے اپنی پھپھو اور ان کی دونوں بیٹیوں سے کافی اخلاق جھاڑا تھا اور آج ان کے ہاں جانے کے لیے تیار تھی۔ مجھے اس کے جانے پر قطعی اعتراض نہیں تھا' مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ احرار مبشر کے ساتھ جا رہی تھی۔

"جلدی کرو بھئی۔۔۔ مجھے دیر ہو رہی ہے' کیمل براؤن شلوار قمیص میں اپنی قیمتی گھڑی پر عجلت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے وہ سیل فون پہ کوئی نمبر ڈائل کر رہے تھے۔

"جی بس میں تیار ہوں۔ چلیں۔" سیاہ دوپٹے کو نزاکت سے پھیلاتے ہوئے وہ کاریڈور میں آئی تھی' میں جو پلر کے پاس رکھے ان ڈور پلانٹس کی کٹنگ میں مصروف تھی۔ اک پل کے لیے ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر ٹھٹھکی تھی۔ وہ بلاشبہ ساتھ کھڑے بہت حسین لگ رہے تھے۔ احرار نے سیل فون کان سے لگاتے ہوئے اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی اور ان کی آنکھوں میں ابھرتی ستائش کو صرف تانیہ نے ہی نہیں میں نے بھی محسوس کیا تھا۔ تانیہ کے لبوں پر مغرور مسکان تفاخر سے پھیلی تھی میرا دل جل کر خاک ہو گیا۔

"احرار! اندر بھی چلے جانا یہ نہ ہو کہ باہر سے ہی گاڑی بھگا کر لے جاؤ۔" عادت کے مطابق تائی امی نظروں ہی

نظروں میں ان کی بلائیں لے رہی تھیں۔

"دیکھوں گا..... تم گاڑی میں بیٹھو۔" وہ سیڑھیاں اتر گئے۔ تانیہ ان کے پیچھے ہی تھی۔ احرار مبشر میری دسترس میں کبھی بھی نہیں تھے۔ پھر بھی وہ مجھے اپنی دسترس سے دور ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے گاڑی میں جاکر بیٹھ گئے تھے۔ میری پلکیں نم ہو گئیں۔

"دونوں کتنے اچھے لگ رہے تھے نا ساتھ کھڑے ہوئے۔" تائی امی نے مسکرا کر کہا تھا۔ انہوں نے عام سی رائے دی تھی۔ مجھے جانے کیوں ان کا لہجہ طنزیہ لگا۔

"میری تو شروع سے ہی خواہش ہے تانو کو بہو بنانے کی بس احرار کسی طرح مان جائے۔ اب بھی اتنی مشکل سے رضامند ہوا ہے، اسے ساتھ لے جانے کے لیے۔ پتہ نہیں اس لڑکے کے دل میں کیا ہے۔" جلتے ہوئے دل پر نرم پھوار پڑی تھی۔

"مشکل سے کیوں؟"

"اسے کہاں عادت ہے کسی کو پک ڈراپ کرنے کی۔ آج اسے گلشن حدید میں کسی سے کام تھا۔ صبح ذکر کیا تھا، میں نے تانیہ سے کہا کہ تم اپنی پھپھو سے مل آنا، وہ یاد کر رہی تھیں۔ احرار نے تو صاف انکار کر دیا کہ اریب یا عظام سے کہہ دیں، میں نے مشکل سے قائل کیا کہ جب تمہیں وہاں جانا ہی ہے تو تانیہ کو ساتھ لے کر جانے میں کیا حرج ہے، گاڑی میں بیٹھ کر ہی جائے گی وہ، تمہارے کندھوں پر سوار ہو کر تو نہیں۔" تائی امی سادگی سے بتا رہی تھیں۔

"تم بھی احرار سے بات کرنا..... تانیہ بہت اچھی لڑکی ہے اور پھر وہ تمہاری بات مان بھی لیتا ہے۔"

"وہ مانتے نہیں ہیں، مجھے منوانا آتا ہے۔" میں نے سوچا کہا نہیں۔

"اگر آپ کو تانیہ اتنی ہی پسند ہے تو ضمیر بھی تو ہے۔"

"ضمیر ذرا اور مزاج کا ہے اور پھر تانیہ سے تو اس کی ایک منٹ نہیں بنتی۔"

"لیکن مجھے تو لگتا ہے، وہ تانیہ کو پسند کرتا ہے۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ تائی امی بری طرح چونک گئیں۔

"کیا واقعی......؟"

"مجھے محسوس ہوا ہے۔" میں اب قدرے گڑبڑائی۔ جھوٹ بولنا دشوار نہیں اسے نبھانا مشکل ہے۔

"کیا اس نے تم سے اس سلسلے میں کوئی بات کی ہے؟"

"افوہ تائی امی! میں نے تو محض ایک بات محسوس کی ہے۔ اس میں صداقت ہے یا نہیں اس کا تو ضمیر کو ہی علم ہو گا۔ ایکچوئلی میں نے ملنا..... " میں جانے مزید کیا گل افشانی کرتی مجھے اریب آگیا۔

"یار! تین کپ زبردست سی چائے کے تو بناؤ۔"

"کیوں؟ تمہارے سسرال والے آئے ہیں؟" میں اس کے حکم پر جز بز ہو کر رہ گئی۔

"ہائیں!" وہ بری طرح چونکا۔ پھر تائی امی کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"میرے تو نہیں، لگتا ہے تمہارے آئے ہیں اس لیے اتنی مرچیں چبا رہی ہو۔ کیوں تائی امی۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا!"

"اب تم اپنا جھگڑا شروع کر لو..... " تائی امی واپسی کے لیے مڑیں۔

"ویسے نوال! بات ضرور کرنا۔"

"کیا بات؟" اریب نے فوراً کان کھڑے کیے۔

"کچھ نہیں..... تم دیکھ رہے ہو کہ میں اس وقت اپنے پیارے پیارے پلانٹس کے ناز نخرے اٹھا رہی ہوں، اس لیے چائے بنانے کی زحمت خود کر لو۔

"وہ جل پری کدھر گئی ہے؟" اس کا اشارہ تانیہ کی طرف تھا۔ ضمیر اور وہ اسے جل پری کہتے تھے۔

"اپنی سوئٹ پھپھو کے گھر۔"

"اکیلی ہی گئی ہے۔ میرا مطلب ہے تائی امی کو۔"

"ان کے لاڈلے سپوت کے ساتھ گئی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے ضمیر..... مگر وہ تو نہانے گھسا ہوا ہے میرے خیال میں۔"

"میں احرار بھائی کی بات کر رہی ہوں۔"

"احرار بھائی..... " اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"امپاسبل۔ وہ اتنے بااخلاق کب سے ہو گئے؟"

"تائی امی انہیں اخلاقیات سکھانے کی پوری پوری کوشش کر رہی ہیں۔"

"تم جیلس ہو رہی ہو؟" وہ میرے لہجے کو محسوس کر گیا۔

"مجھے کیا پڑی ہے جیلس ہونے کی۔"

"اونہوں! جلنے کی بو تو آ رہی ہے۔" وہ حظ اٹھانے لگا۔

"ہاں ہو رہی ہوں پھر۔"

"کمال ہے یار! تم میں یہ کوالٹی بھی ہے۔"

"تمہارے ساتھ اس طرح ہو تو پھر پوچھوں گی۔"

"میرے ساتھ..... " اس کے پھیلے لب سمٹ گئے۔ میں خفیف سی ہو کر اٹھ گئی۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو تم..... میں بھی بہت جیلسی فیل کرتا ہوں احرار بھائی سے۔"

"گونٹو ہیل..... " میں سرعت سے کاریڈور پار کر گئی۔ وہیں کھڑا رہ گیا تھا یہ محبت یونہی خوار کرتی ہے۔ زرد موسم کا ہر احساس گواہ تھا۔

☼ ☼ ☼

میں نے ایک بار نہیں کئی بار آنکھیں مل کر سامنے لان میں گلابی پھولوں کے کنج کے پاس کھڑی تانیہ اور اس سے قدرے فاصلے پر پھول توڑتے ضمیر کو دیکھا تھا۔

جو میں نے محسوس کیا، وہ میرا واہمہ ہو سکتا تھا مگر اب جو نگاہ دیکھ رہی تھی وہ واہمہ نہیں حقیقت تھی۔ تانیہ کے لبوں پر بے حد دلکش مسکان تھی۔ ایک شرمیلی، ان کہی داستان سناتی..... جانے اس لمحے وہ اپنی مسکراہٹ سمیت اتنی خوب صورت کیوں لگی تھی۔ ضمیر شوخ لہجے میں اس سے کچھ کہہ رہا تھا، اس کے گلابی رخساروں پر بے حد تپش تھی۔ میں نے پردہ چھوڑ دیا۔ نگاہ میں یہ منظر کھب سا گیا تھا۔

ضمیر اب سرخ گلاب شاخ سے علیحدہ کر کے اس کی سمت بڑھا رہا تھا۔ اس نے کچھ کہا اور بھرپور استحقاق کے ساتھ وہ گلاب اپنے بالوں میں سجا لیا۔

"یہ محبت ہے۔" میرے دل نے کہا تھا اور میں جو احرار مبشر کے ساتھ کر رہی تھی۔ وہ خسارہ تھا۔ میں نے گوشوارہ کیا تو ایک پل اور ایک احساس بھی میرے دامن میں ایسا نہیں تھا کہ مجھے خبر ہو پاتی کہ احرار مبشر میرے لیے کچھ الگ فیلنگز رکھتے ہیں۔ وہ شخص جو مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کے نزدیک میری حیثیت کیا تھی۔ میں سود و زیاں کا حساب لگانے لگی۔

"کیا اس نے تم سے اس سلسلے میں کوئی بات کی ہے؟" مجھے تائی امی کا چونکنا یاد آیا۔ غالباً انہوں نے بھی ضمیر کا جھکاؤ محسوس کیا تھا، اسی لیے مجھ سے تصدیق چاہتی تھیں۔

جو ضمیر اور تانیہ کا ان کہا اور ان دیکھا سا تعلق بندھ گیا تھا۔ وہ مجھے اور تائی امی کو محسوس ہو گیا تھا۔ ان کے درمیان واقعی وہ احساس موجود تھا جسے محبت کہتے ہیں اور یہی بات میں نے رات کو تانیہ سے بھی پوچھ لی۔

"کیا تمہارے اور ضمیر کے درمیان کچھ چل رہا ہے؟"

وہ چونکی نہ حیران ہوئی بس اقرار میں سر ہلا گئی۔ پھر کچھ دیر بعد ہنس کر کہنے لگی۔

"چلنے ولنے کا تو مجھے علم نہیں لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند ضرور کرتے ہیں۔"

"صرف پسند ہے۔"

"محبت کہہ سکتی ہو۔"

"اور یہ سب کب سے ہے؟"

"سات آٹھ ماہ تو ہو ہی گئے ہیں۔ جب میں لاسٹ ٹائم یہاں آئی تھی تو ضمیر نے مجھ سے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ مجھ جیسی لڑکی سے اکثر کو یونہی محبتیں ہو جاتی ہیں، تاہم اب میں خود بھی سنجیدہ ہوں ضمیر کے لیے اس کی محبت کے لیے..... کیا تمہیں اچھا نہیں لگا یہ جان کر؟"

وہ اپنے لہجے کو ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا اضطراب آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے کچھ خائف ہے۔

"مجھے یہ برا کیوں لگے گا۔ بلکہ یقین کرو، مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"ریئلی۔" وہ پھر سے خوش ہو گئی۔

"کیا تمہیں مجھ سے کوئی خدشہ تھا؟"

"نہیں..... ایکچوئلی وہ ضمیر بتا رہا تھا کہ خالہ اس کے لیے تمہیں مانگنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ گو کہ وہ انکار کر چکا ہے مگر پھر بھی مجھے..... "

"کیا..... تائی امی مجھے مانگنے کا ارادہ رکھتی ہیں وہ بھی ضمیر کے لیے۔"

"ہاں..... وہ تمہیں بہت پسند کرتی ہیں جبکہ وہ مجھے۔"

"وہ تمہیں احرار بھائی کے لیے مانگنا چاہتی ہیں..... ہے نا۔"

"ہوں..... لیکن مجھے احرار اس حوالے سے پسند نہیں۔"

"کیوں؟"

"مجھے ان جیسے سنجیدہ اور اپنے آپ میں مگن، لاتعلق سے مرد بالکل پسند نہیں، مجھے ضمیر جیسے لوگ پسند ہیں۔ زندہ دل، شوخ اور بذلہ سنج..... ضمیر کی کمپنی میں بندہ

بالکل بور نہیں ہو سکتا۔"

"سو تو ہے۔" میں نے مختصراً کہا کتنی عجیب بات تھی۔ احرار مبشر کے بارے میں میرا یہ خیال کہ انہیں کوئی ناپسند نہیں کر سکتا۔ غلط ہو گیا تھا۔ ثانیہ سرور...... جس سے مجھے خدشہ تھا' وہ انہیں ناپسند کرتی تھی۔

"رئیلی نوال! میرے دل سے۔ بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے تم نے۔"

"تم یہ بات مجھ سے پہلے ڈسکس کر لیتیں تو زیادہ بہتر نہیں تھا۔"

"ہاں...... مگر یار! ضمیر کو تم سے کوئی ڈر نہیں تھا' وہ کہتا ہے مجھے ہنڈرڈ پرسنٹ یقین ہے کہ نوال کسی میں انٹرسٹڈ ہو ہی نہیں سکتی۔"

"کیوں؟ اسے اتنا یقین کیوں ہے...... کیا میں کسی میں انوالو نہیں ہو سکتی۔"

"بالکل ہو سکتی ہو مگر مجھے تم خاصی پریکٹیکل مائنڈ لگتی ہو۔ محبت وحبت سے کوسوں دور بھاگنے والی۔"

"ایں۔" میں سخت حیران تھی۔

میں نے جو زندگی سے ایک ہی لفظ سیکھا ہے۔ محبت بے تحاشا محبت اور اس کے بارے میں خیال کیا جا رہا تھا کہ اسے کسی سے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔

کیوں...... آخر کیوں؟

پھر یہ طے تھا کہ مجھے اس خاموش ندی کی طرح ایک ہی سمت میں بہتی محبت کا انکشاف خود ہی کرنا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے نوال احمر نے فیصلہ کر لیا کہ قبل اس کے کہ گلاب لمحے ہاتھوں سے پھسل جائیں۔ اس موسم کو مٹھی میں قید کرنا ہو گا۔

اپنی محبت سے کہنا ہو گا کہ مجھے تم سے کتنی عقیدت ہے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بھی یہی لگا تھا۔ میں نے اسی لیے تم سے بات کی تھی کہ اگر ایسا کچھ ہے تو تم بات کلیئر کر لو کیونکہ آپا سے میں نے احرار کا ہی ذکر کیا تھا اور وہ خود بھی یہی چاہتی ہیں اس لیے۔ ہم...... خیر! اگر ضمیر اور ثانیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ ہاں! بس میرے دل کی ایک خواہش ادھوری رہ جائے گی۔" تائی امی نے اپنی بات کے آخر میں ایک تشنہ نگاہ مجھ پر ڈالی تھی۔ میں پہلو بدل کر رہ گئی۔

تائی امی! آخر آپ احرار کے لیے بھی تو کہہ سکتی ہیں...... مگر یہ گیارہ سالوں کا فرق افوہ آپ لوگوں کو کون سمجھائے کہ محبت عمر' مزاج' مذہب' رسم و رواج' ذات برادری کچھ بھی نہیں دیکھتی...... اس لیے تو کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے۔ اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا سوائے محبوب کے چہرے کے سوا۔

"اب دیکھو...... تمہارے ابی سے بات کرتی ہوں' گھر میں تو کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ مگر احرار کے لیے بھی ان چند دنوں میں کوئی اچھی سی لڑکی فائنل کرنی ہے۔ دونوں کی بات اکٹھے طے ہو جائے زیادہ اچھا ہے۔ بلکہ تمہارے ابی شاید ابھی ضمیر کی بات کرنے ہی نہ دیں۔ وہ کہتے ہیں جب تک اس کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی' تب تک نہ منگنی نہ شادی...... ایسے ہی بچوں کا ذہن پڑھائی سے ہٹ جاتا ہے کہتے تو ٹھیک ہی ہیں۔"

"صرف چند ماہ ہی تو رہ گئے ہیں تائی امی! اس کے بعد ضمیر اپنی پریکٹیکل لائف اسٹارٹ کر ہی لے گا۔"

"دیکھو...... مجھے تو احرار کی فکر ہے۔ یہ لڑکا تو پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتا' کہتا ہے ابھی شادی نہیں کرنی تو میاں پھر کب کرنی ہے...... یہی عمر ہوتی ہے شادی کی۔"

"آپ کی نظر میں ہے کوئی لڑکی۔"

"میری نظر میں جو تھی' اس کا تمہیں پتہ ہی ہے۔ عروس بتا رہی تھی کہ تمہاری ممانی کی بھانجی بھی ہے۔ شکل و صورت بھی لاکھوں میں ایک ہے اور تعلیمی قابلیت بھی خوب ہے۔" یہ ممانی کی ہمدردیوں کا بخار مجھے لے ڈوبے گا میں جز بز ہو کر کشن پر سے کور اتارنے لگی۔

"یہ کیوں اتار رہی ہو؟"

"میلے ہو رہے ہیں تائی امی!"

"ابھی پچھلے ہفتے تو دھلائی کی تھی۔ رہنے دو تم' ثانیہ کو دیکھو کیا کر رہی ہے' جانے کا کہہ رہی تھی۔"

"کریم کلر بہت جلدی میلا ہو جاتا ہے۔ میں اس لیے ڈارک کلر لینا چاہ رہی تھی۔ خیر! اب چینج کر لیں گے۔" میں نے کور پھر سے چڑھا دیا۔

"تمہارا رزلٹ کب تک آ رہا ہے؟"

"ایک دو ہفتوں تک کہہ رہے ہیں۔ دعا کریں تائی امی! میرا میرٹ بن جائے۔ میں تو خوابوں میں بھی خود کو ڈاکٹر بنے دیکھتی ہوں۔"

جاگ جائیے مستقبل قریب کی ڈاکٹر صاحبہ! ابھی بہت وقت ہے ایسے نایاب خواب دیکھنے کے لیے۔" خوشبوؤں میں رچا بسا اریب سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں ہی چلا آیا۔

"تم اس وقت کس پر بجلی گرانے جا رہے ہو؟" وہ بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس کچھ زیادہ ہی ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"ہاں...... سب خیر تو ہے۔" تائی امی بھی اسے دیکھنے لگیں۔

"خالہ! بات سنیں۔" ثانیہ نے ریلنگ سے جھک کر تائی امی کو پکارا تھا وہ فوراً ہی اٹھ گئیں۔

"لگتا ہے کزن صاحبہ جا رہی ہیں۔" وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"ہوں...... صبح سیٹ ریزرو کروانی ہے۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا جواب دوں...... میں کس پر بجلی گراؤں گا۔ تم پر تو اثر نہیں ہوتا۔"

"ہر وقت فضول مت ہانکا کرو۔"

"احرار بھائی کے علاوہ بھی کسی کا احترام کر لیا کرو' میں بھی چار سال بڑا ہوں تم سے۔"

"قد میں یا عمر میں بڑا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ......"

"میں چار سال بڑا ہوں تم سے' چار دن نہیں۔" وہ بات کاٹ گیا۔

"اچھا......" میں ہنسنے لگی۔

"بلاوجہ بے وقوف ہنستے ہیں۔"

"اور اپنی فیلنگز بے سبب کسی کے لیے ضائع کرنے والے احمق ہوتے ہیں۔"

"تم بھی تو یہی کر رہی ہو؟"

"غلط فہمی ہے تمہاری۔"

"تمہارا کیا خیال ہے احرار بھائی۔"

"جب وقت آئے گا تب اس کا جواب دے دوں گی۔" میں نے بات ختم کر دی۔

☼ ☼ ☼

"جا رہی ہو تم......" دھپ سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے میں نے کپڑے پریس کرتی ثانیہ سے پوچھا تھا۔

"ہوں......" وہ کسی خیال سے چونکی تھی۔

"ابھی تو چھٹیاں تھیں مزید رہتیں نا۔"

"ابا کی ڈیٹ فائنل کرنے آ رہے ہیں اور امی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"ضمیر کو بتا دیا۔"

"کیا؟"

"اپنے جانے کا۔" میں نے شرارت سے کہا تو وہ سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی پھر دھیرے سے ہنس دی۔

"اسی نے تو سیٹ ریزرو کروائی ہے۔"

"اچھا... اس نے تمہیں روکا نہیں۔"

"ابھی مجھے روکنے کا جواز نہیں تھا۔ اس کے پاس اور ویسے بھی میں یہاں آنے کے لیے ہی جا رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا' میں سن سی بیٹھی رہ گئی۔

"تم سناؤ...... آگے کیا ارادے ہیں۔ ویسے نوال! اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔"

"ہوں کہو۔" میں ببل کا ریپر اتارنے لگی۔

"تم اتنی ببلز کیوں کھاتی ہو؟"

"اچھی لگتی ہیں...... یہی بات کہنی تھی۔"

"نہیں...... میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی......" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر تب ہی احرار مبشر چلے آئے۔ لائٹ بلیو کاٹن کے شلوار قمیص میں وہ خاصے گھریلو حلیے میں تھے۔ میں نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ اوپر جانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر پھر جانے کیا سوچ کر وہیں چلے آئے۔

"نوال! یار ایک کام تو کرو۔"

"جی......" میں نے مستعدی سے کہا۔

"یہ دو لیٹرز ہیں' انہیں ٹائپ تو کر دو۔" انہوں نے فائل میں سے دو لیٹر نکال کر میری سمت بڑھائے۔

"آپ کو پتہ ہے میری ٹائپنگ اسپیڈ کا۔"

"رات تک تو ہو ہی جائیں گے۔ ایکچوئیلی مجھے چھ بجے ایک ڈیلی گیشن ریسیو کرنے جانا ہے اور رات کو ایک دوست کے ساتھ بزنس ڈنر ہے۔ یہ لیٹر بھی صبح چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گی۔"

"اوکے...... ایک چائے کا کپ بھجوا دو' میں اپنے کمرے میں ہوں۔" فائل مجھے تھما کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

"تم تنگ نہیں آتیں طرح طرح کی فرمائشوں سے...... کسی کو پریس شدہ ڈریس چاہیے ہوتا ہے تو کوئی چائے کے لیے آرڈر دیتا ہے۔ کسی کو تمہاری ہاتھ کی کافی اچھی لگتی ہے تو۔"

"مجھے اپنی فیملی کے لیے سب کرنا اچھا لگتا ہے۔"

"تم ہی کر سکتی ہو بھئی۔ مجھ پر تو کوئی ایسے حکم چلائے میں چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں۔" وہ کئی دنوں بعد اپنی پرانی جون میں پلٹی تھی۔

"میرے خیال میں تمہارے پاس تمہارے اپنے لیے تو وقت ہی نہیں بچتا ابھی تم میڈیکل لائن میں جانا چاہتی ہو۔ سب کو اس حد تک اپنا عادی بنا لیا ہے تم نے پھر کیسے یہ سب مینیج کر پاؤ گی۔ اتنا وقت ہو گا تمہارے پاس۔"

"بے شک وقت نہیں ہو گا مگر تانیہ..... محبت ہو تو وقت خود بخود نکل آتا ہے۔"

"محبت....." وہ چونکی۔ "افوہ..... تو پھر کسی ایک سے بندہ سر کھپائے۔ اب مجھے دیکھ لو۔ میں جو ذرا برابر بھی چینج ہوئی ہوں تو صرف ضمیر کے لیے‘ اسے ہنستی مسکراتی لڑکیاں پسند ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تانی تم پر ہنسی بہت سوٹ کرتی ہے۔ تمہاری مسکراہٹ میرا دل موہ لیتی ہے اور میں نے چڑنا اور بے وجہ جلنا کڑھنا چھوڑ دیا۔ باقی لوگ حیران ہوتے ہیں کہ میں اتنا کیسے بدل گئی تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک فرد کے لیے تو بندہ خود کو خوار کر سکتا ہے اب ہر کسی کے لیے تو نہیں نا۔"

"جس محبت کا تم ذکر کر رہی ہو وہ فرد واحد سے ہی ہوتی ہے اور جس وقت کا میں تذکرہ کر رہی ہوں وہ ہر رشتے سے ہوتی ہے۔"

"تمہاری بات درست ہے نوال لیکن....."

"تانیہ! یہ تو بہت عام سے کام ہیں‘ مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ اب اگر کبھی میرا موڈ نہ بھی ہو تو میں صاف انکار بھی کر دیتی ہوں۔"

"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے لیکن تم احرار بھائی کو تو انکار نہیں کرتی ہو گی۔"

"میں انہیں انکار کر بھی نہیں سکتی۔"

"کیوں؟"

"ان کی پرسنالٹی ایسی ہے کہ انہیں کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔"

"مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔" اس نے دیدے گھمائے "گو کہ یہ بہت ناقابل یقین سی بات ہے مگر سچ بتاؤ‘ کیا ایسا ہی ہے جیسا میں سمجھ رہی ہوں۔"

"یہ تمہارے دماغ کا خلل ہے اور کچھ نہیں۔" اس کے سامنے سے اٹھ گئی۔ مزید بات ہوتی تو شاید میں کھل ہی جاتی۔

☆ ☆ ☆

جس روز تانیہ گئی اس سے اگلے دن میرا رزلٹ [illegible] ہوا تھا پورے ۸۷ فیصد نمبروں کے ساتھ میں نے [illegible] کلیئر کیا تھا۔ یہ کامیابی پورے خاندان میں ہی خوشی کی [illegible] دوڑا گئی۔ اسی دوران میرے کورسز بھی مکمل ہو گئے [illegible] اور میں پوری دل جمعی سے اینٹری ٹیسٹ کی تیاری میں لگ گئی۔

تائی امی کو احرار مبشر کے سر پر سہرا سجانے کی دلی [illegible] تھی جو کہ ہر ماں کو ہی ہوتی ہے مگر جانے یہ خواہش میرے دل میں کیوں اضطراب برپا کر دیتی تھی۔ مجھے یہی گمان تھا احرار کی ذات پر صرف نوال احمد کا حق ہے اور پھر انہوں نے ضمیر کے لیے تانیہ کا ہاتھ بھی مانگنا تھا اسی لیے شاید [illegible] سے احرار کو رضامند کر رہی تھیں‘ جو فی الحال شادی کے [illegible] میں نہیں تھے۔ اس شام بھی میں کوچنگ سے واپس آئی تو تائی امی لاؤنج میں احرار کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ میں اپنے لیے چائے بنانے کی غرض سے کچن میں جانے لگی تو احرار نے بھی فرمائش کر دی۔

"چائے پینے کی اتنی خواہش رہتی ہے تو چائے بنا کر دینے والی بھی لے آؤ..... نوال بچاری کب تک تمہاری خدمتیں کرتی رہے گی اور اب تو اللہ خیر کرے‘ بچی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے رہی ہے۔ اس کے پاس پھر کہاں وقت ہو گا۔ تم لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنے کا۔"

"بچی اپنے لیے بھی تو بنانے جا رہی ہے۔" احرار دھیرے سے مسکرائے تو میں سر ہلاتی کچن میں چلی آئی۔ پھر تین کپ ٹرے میں رکھ کر دوبارہ لاؤنج میں آئی تو احرار کا اڑتا اڑتا جملہ میری سماعتوں میں گونجا۔

"پلیز امی! شادی کے لیے میں اگرچہ آئیڈیلزم کا قائل نہیں‘ مگر پھر بھی پارٹنر کے لیے میں ایج ڈفرنس کو ضروری نہیں سمجھتا۔ میں چاہتا ہوں میری شریک حیات سے [illegible] مینٹل اپروچ اور پسند ناپسند میں انڈر اسٹینڈنگ ہو۔ آپ جانتی ہیں‘ مجھے نہ بحث و مباحثہ پسند ہے اور نہ ہی زیادہ نخرے برداشت کر سکتا ہوں۔"

"یہ چائے لے لیں....." احرار کی جھنجلاہٹ ان کے ماتھے کی ابھرتی رگوں سے عیاں تھی۔

"تھینکس یار!"

"تمہاری تو کوئی کل ہی سیدھی نہیں..... [illegible]

برائی ہے اب..... اچھی خاصی پڑھی لکھی، خوش شکل لڑکی ہے۔ طور و اطوار میں بھی اچھی اور سلیقے کا تو ذکر ہی کیا۔" تائی امی چہک کر بولی تھیں۔ میرے کان مدیحہ کے نام پر کھڑے ہو گئے۔ یہ غالباً" تائی امی کی کوئی بھتیجی صاحبہ تھیں۔

"اس کا اور میرا ایج ڈفرنس پورے پانچ سال کا ہے۔"

"تو کیا تمیں بتیس سال کی پختہ عمر کی لڑکی بیاہ لاؤں۔"

"پختہ عمر۔" انہیں یقیناً" حیرانی ہوئی تھی۔

"افوہ امی! میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ لوگ کم عمر لڑکی کے لیے اتنی بچی کیوں ہوتی ہیں۔ میں انتیس سال کا ہوں تو اسے ستائیس کا تو کم از کم ہونا چاہیے۔ کم عمر لڑکیاں کم عقل اور جذباتی ہوتی ہیں اور میں کسی میچیور لڑکی کا خواہش مند ہوں۔ مدیحہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے مگر عادتوں میں ابھی تک بچکانہ پن ہے اور یہ چیز میری برداشت سے باہر ہے۔" وہ اپنے خیالات سے آگاہ کر رہے تھے میرے حلق میں چائے پھنسنے لگی۔

ایج ڈفرنس..... بچکانہ پن..... کم عمر..... کم عقل..... جذباتی یہ سب خصوصیات تو مجھ میں بھی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں احرار بھائی!" میں نے ان کی سائیڈ لی۔

"دیکھ لیں..... نوال بھی یہی کہہ رہی ہے۔ ویسے امی! میں ایک بات کہوں، میں نوال کی پسند کردہ لڑکی سے شادی کر لوں گا۔ یہ مجھے بہت انڈر سٹینڈ کرتی ہے۔ اسے علم ہو گا کہ میرے لیے کیسی لڑکی سوٹ ایبل ہو گی۔ کیوں نوال؟"

اچانک ہی انہوں نے مجھ سے پوچھ لیا تھا اور میں ہونقوں کی طرح انہیں دیکھتی رہ گئی۔ تب ہی اریب نے تائی امی کو ان کی بہن کے فون کی اطلاع دی۔

"ہاں..... نوال کی رائے بھی لے لو۔ اس کی بھی تو کافی جان پہچان ہے لوگوں سے۔" تائی امی جاتے ہوئے بولیں۔

"نوال! تم اپنی پسند بتاؤ۔"

"ریئلی! آپ اس لڑکی سے شادی کر لیں گے جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ پسند کرتی ہوں۔" میں ایک ٹرانس کی کیفیت میں بولی تھی۔

"آف کورس۔" وہ جانے اتنے اچھے کیوں بن رہے تھے، درحقیقت ان پر یہ اچھائی سوٹ نہیں کر رہی تھی وہ تو بس اپنی منواتے اچھے لگتے تھے۔ کسی کی مانتے نہیں۔

"وعدہ کریں۔" میں مگ رکھ کر کھڑی ہوئی۔

"وعدہ۔"

"تو..... اس دنیا میں جسے میں سب سے زیادہ پسند کرتی ہوں وہ نوال احمر ہے احرار! کیا آپ کریں گے ..... شادی .....؟" ایک بم میں نے ان کی سماعتوں سے کے قریب پھوڑا تھا۔ چائے ان کے سفید کلف زدہ کپڑوں پر گرا کر انہیں داغ دار کر گئی اور میں اپنی بات کہہ کر رکی نہیں

✡ ✡ ✡

بعض اوقات منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جنہیں عام حالات میں کہنا بہت دشوار امر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلی بات واپس نہیں آتی۔ میں ایک لمحے میں اتنی بہادری دکھا گئی تھی کہ اب دونوں سے ان سے منہ چھپائے پھر رہی تھی۔

"اوہ گاڈ..... کتنی خراب لڑکی سمجھا ہو گا انہوں نے مجھے۔

کیا خیال کریں گے، وہ میرے بارے میں کہ میں بے باک اور بدتہذیب لڑکی ہوں۔" میں مسلسل ذہنی کشمکش سے دوچار تھی۔ میں ان سے کافی بے تکلف تھی مگر بے تکلفی میں بھی احترام اور گریز کا رشتہ موجود تھا۔ جانتی تھی۔ احرار مجھے بالکل چھوٹی بچیوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔ یہ مجھے ناگوار بھی گزرتا تھا تاہم احرار کو اس کی حد میں برتنے کا گر جانتے تھے اور میری محبت سب کچھ تھی۔

اس وقت میں ذہنی خلفشار سے نجات پانے کے لیے لان میں چلی آئی تھی لاؤنج میں سب لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ آج کافی دنوں کے بعد اس طرح کی محفل جمع تھی مگر اس محفل میں نہ میں موجود تھی اور نہ احرار ..... وہ اپنے پی سی پر مصروف تھے۔ سب نے انہیں بلایا تو پانچ منٹ میں آنے کا کہہ رہے تھے اور ان کی آمد سے سیکنڈ پہلے میں صوفے سے اٹھ گئی۔

آخیر راتوں کا پورا چاند آسمان کے سینے پر بادلوں کو اوڑھے خاموش تھا۔ اس کی چمکتی روشنی میں ستاروں کی جگمگاہٹ مدہم سی پڑ گئی تھی۔ لگائے میں کتنی ہی دیر اس کی فسوں خیز چاندنی کو رگ و پے میں اترتا محسوس کرتی رہی اور جانے کس ہواؤں کے نرم تھپیڑوں نے میری آنکھیں بند کر دیں۔ آنکھ کھلی تو جب..... جب احساس کو کسی کی آمد کی خبر ہوئی، میری آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ سامنے بادامی شلوار سوٹ پر عنابی "اجرک..... لیے احرار چلے آ رہے تھے۔ دل بے ساختہ سماعتوں میں دھڑکنے لگا، جانے وہ کن لفظوں میں کلاس لیں گے۔ ان کے آتے ہی میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

"بیٹھو..... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ بنچ کے دوسرے کنارے پر ٹک گئے۔ میرے قدم بے جان سے ہو گئے۔

"دو دن سے میں تمہاری کلاس لینے کا سوچ رہا ہوں مگر تم ہاتھ ہی نہیں لگیں..... شاید تمہیں بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ اس روز تم نے..... خیر!" انہوں نے سر جھٹکا۔

"انڈین ڈرامے اور ناول ذرا کم پڑھا کرو۔ میں اسی لیے ان کے حق میں نہیں ہوں تم جیسی کچی عمر کی لڑکیاں۔"

"نہ میں ناول پڑھتی ہوں اور نہ مجھے انڈین ڈراموں کا مرض لاحق ہے۔" میں ان کی بات کاٹ گئی۔

"تو پھر تمہیں یہ علم بھی ہونا چاہیے کہ نہ تم کسی افسانوی دنیا کا کردار ہو اور نہ میں....." انہوں نے سر گھما کر مجھے دیکھا تو میں بے ساختہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"میں خود کو کتنا بھی اپنے ارد گرد کے ماحول سے لاپروا ظاہر کروں مگر میں انجان ہرگز نہیں ہوں نوال! میں بہت پہلے ہی تمہاری اپنے لیے اسپیشل فیلنگز محسوس کر گیا تھا لیکن گمان یہی تھا کہ شاید یہ میرا وہم ہے۔"

"محبت احساس ہوتی ہے وہم نہیں۔"

"تم....." وہ ایک دم تیز ہوئے "جانتی بھی ہو، محبت کہتے کسے ہیں۔"

"مجھ سے بڑھ کر بھلا کون اس کے مفہوم کو جانے گا۔"

"میں تم سے اتنی نرمی سے صرف اس لیے بات کر رہا ہوں کہ اس عمر میں اکثر ایسی حماقتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔"

"اس عمر سے کیا مطلب ہے آپ کا.....؟ اگلے ماہ کی بائیس تاریخ کو میں پورے اٹھارہ سال کی ہو جاؤں گی۔"

"اس گھر میں بہت سے افراد رہتے ہیں۔ تمہارے ہم عمر بھی اور....." میں ان کی بات سنے بغیر ان کا مدعا جان گئی۔

"آپ اریب کی بات کر رہے ہیں۔"

"ہوں..... میرے خیال میں وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے۔"

"تو.....؟"

"تو یہ کہ اریب بہت سوٹ ایبل ہے تمہارے لیے ..... ویسے بھی تم اس وقت صرف اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔ میڈیکل میں جانے کا تو بہت شوق ہے۔ یہ فیلڈ بھی اتنی ہی ٹف ہے اور تم ابھی سے کن فضولیات میں پڑ گئی ہو۔" وہ بالکل دوستانہ ماحول میں مجھے وہ بات سمجھانا چاہ رہے تھے جو میں ہرگز نہیں سمجھنا چاہتی تھی۔

میں بھلا محبت سے کیسے دستبردار ہو جاتی؟

"مشورے کا شکریہ۔" میں چبا چبا کر بولی۔

"دیکھو نوال! تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ تمہیں اس بات کا بالکل بھی ادراک نہیں ہے کہ تم کیا کر رہی ہو، اس روز جذباتی ہو کر تم نے جو بات کہہ دی میں آئندہ کبھی بھی نہیں سننا چاہتا۔ شادی اول تو میری ترجیحات میں آخری نمبر پر ہے اور دوسرے میں واقعی تمہاری پسند سے شادی کر لیتا بشرطیکہ تمہیں اپنے علاوہ کوئی اور پسند ہوتی مگر اب نہیں۔"

"کیوں؟ مجھ میں کیا برائی ہے؟"

"تم بہت سادہ ہی نہیں احمق اور جذباتی بھی ہو۔" وہ اپنی بات ختم کر کے اٹھ گئے۔

"بہرحال! مجھے امید ہے تم میری بات پر غور کرو گی۔"

"تو جاتے جاتے میرا فیصلہ بھی سن لیں احرار صاحب!" میں ضبط سے مٹھیاں بھینچ کر کھڑی ہوئی۔ میں اتنی بہادر کبھی بھی نہیں رہی تھی جتنی اس رات بن گئی۔

"میری زندگی میں اگر کوئی ہمیشہ کے لیے ہے تو وہ آپ ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی نہ میری زندگی میں آئے گا نہ دل میں..... میں نے محبت نہیں عشق کیا ہے آپ سے اور آخر دم تک کرتی رہوں گی۔"

"شٹ اپ۔" ان کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا تھا اور میرے رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔

"بہت خوب..... یہاں تو عشق و عاشقی کے کھیل رچائے جا رہے ہیں۔" چچی ستون کی آڑ سے اچانک ہی نکل آئی تھیں۔ تکلیف کے باعث میرے آنسو پلکوں کی دہلیز پھلانگ گئے۔ احرار لمبے لمبے ڈگ بھرتے گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

"میں بھی کہوں اتنی خدمت گزاری بے سبب نہیں ہو سکتی۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

"چچی پلیز!"

"میں نے کیا غلط کہہ دیا۔ قرب قیامت کے آثار ہیں۔" وہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ میں بھاگتی ہوئی اندر آگئی۔ سب نے ہی چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔

"نوال! کیا ہوا؟" مما کی آوز میں تحیر سمٹا تھا۔ لیکن میں ان سنی کرکے دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ لاک کرکے بیڈ پر اوندھی گر گئی۔ اس رات مجھے جانے کس کس بات پر بے تحاشہ رونا آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح تک میں کمرہ نشین رہی تھی۔ مما کئی بار دروازے پر دستک دے چکی تھیں۔ تائی امی بھی دو بار آئی تھیں لیکن میرا کسی سے بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ مجھے چچی کی معنی خیز نگاہوں اور طنزیہ جملوں کا سامنا کرنے سے بھی خفت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر پھر خیال آیا کہ میری جنگ کا آغاز تو احرار مبشر سے ہوا ہے تو میں مما اور اپنے پیارے رشتوں کو کیوں سزا دے رہی تھی۔

میرے والدین نے اپنی اکلوتی اولاد کو کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا اور یہ شخص جسے میں بے تحاشا چاہنے لگی تھی۔ اس نے دیا بھی تو درد..... میرا رخسار ابھی تک سوجا ہوا تھا۔ انہوں نے پوری قوت سے تھپڑ رسید کیا تھا۔ جس کا درد اور تکلیف کی شدت مجھے دل تک محسوس ہوئی تھی۔ پھر آنکھیں بے دردی سے رگڑ کر میں نے لاک کھول دیا اور خود بیڈ پر لیٹ گئی۔ مما کچھ دیر بعد ہی آگئی تھیں۔

"نوال! میری جان..... کیا ہوا اس طرح کمرہ بند کرکے کیوں لیٹی ہوئی تھیں۔" وہ پریشانی سے کہتی میرے سرہانے آبیٹھیں۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے بازو آنکھوں پہ رکھ لیا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو بتایا ہوتا..... اس طرح کمرہ نشین ہو کر رونے کی کوئی تک بنتی ہے بھلا۔ کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں..... تمہاری چچی بتا رہی تھیں کہ تمہیں احرار نے ڈانٹا ہے تو اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے بیٹا..... بڑے بچوں کو ان کی غلطیوں پر ڈانٹ ہی دیتے ہیں۔" وہ دھیرے دھیرے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں تو میری آنکھیں پھر سے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"کاش..... مما انہوں نے میری غلطی کے لیے مجھے ڈانٹا ہوتا مگر انہوں نے تو میری محبت کے لیے مجھے تھپڑ مارا۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے مما! مجھے بہت رونا آ رہا ہے۔"

"نوال! یہ کیا پاگل پن ہے۔ بس روئے جا رہی ہو۔ کوئی بات ہے تو بتاؤ میں احرار سے پوچھوں گی۔" انہوں نے میرے چہرے سے بازو ہٹاتے ہوئے کہا پھر آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"کوئی سیریس بات ہو گئی ہے نوال! تم معمولی باتوں پر اتنا نہیں رو سکتیں..... میں تم سے پوچھ رہی ہوں نوال! تم بات کیوں نہیں کر رہیں۔"

"مما..... میں۔" میں ہچکیوں میں بولی۔

"کسی سے محبت کرنا بری بات ہے کیا کسی کو چاہنا۔ کسی کو پسند کرنا مما..... کسی سے۔"

"محبت....." وہ بے آواز بولیں۔

"کیا فضول بات کر رہی ہو؟" اب کے ان کے لہجے میں نرمی نہیں درشتی تھی۔

"تمہاری ایج ایسی باتوں کے لیے ابھی نامناسب ہے۔ مجھے کوئی فضول بات نہیں سننی۔"

"مما! کیا ہوا ہے میری ایج کو۔ آخر آپ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ اتنی بھی ننھی بچی نہیں ہوں جو کسی کو پسند نہیں کر سکوں۔ کسی سے محبت....."

"نوال! آواز دھیمی رکھو..... اور منہ دھو کر اپنی اسٹڈی کرو۔ صبح تمہارا ٹیسٹ ہے۔" ان کی ممتا تلخی میں بدل گئی۔

"میں کوئی ٹیسٹ نہیں دے رہی مما! مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔" میں نے نفی میں گردن ہلا کر کہا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے تم اب مار کھاؤ گی مجھ سے۔"

"میں سیریس کہہ رہی ہوں مما! مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔"

"ڈاکٹر بننا تمہاری زندگی کا ہی نہیں ہمارا بھی سب سے بڑا خواب ہے نوال! تم یوں جذباتی پن سے نہیں پریکٹیکل ہو کر سوچو..... کل کے لیے تم نے چودہ برس محنت کی ہے۔ کل تمہاری زندگی کے اگلے راستے کا تعین ہو گا۔" اٹھتے ہوئے انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے کرسٹل گلاس اٹھایا۔

"پتہ نہیں کیوں مجھے ہر چیز سے بیزاریت ہو رہی ہے مما! کتابوں سے لوگوں سے ہر شے سے۔"

"یہ وقتی کیفیت ہے۔ شام تک تم سنبھل جاؤ گی تم ایک بات بتاؤ..... کون ہے وہ؟"

"احرار مبشر۔" میں بدقت تمام بولی تھی۔ ان کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔

"تم جانتی بھی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو..... تم نے یہ سب احرار سے کہا نوال! بتاؤ مجھے..... اتنا کانفیڈنس تم میں کہاں سے آگیا تم....." وہ میرے مقابل بیٹھ کر مجھے جھنجوڑ گئیں۔

"احرار نے تمہیں ڈانٹا تو بالکل درست کیا۔ تم اتنی بولڈنیس کا مظاہرہ کرو گی میں۔"

"مما پلیز..... آپ تو مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں احرار سے محبت۔"

"شٹ اپ نوال' آئی سے جسٹ شٹ اپ..... خبردار جو ایک لفظ مزید منہ سے نکالا تم نے۔" انہوں نے سر پکڑ لیا۔

"میری تربیت میں ایسی کون سی کمی رہ گئی تھی نوال!"

"مما! مجھے بتائیں کیا غلط کیا ہے میں نے..... احرار سے محبت کیوں نہیں ہو سکتی مجھے؟ کیا جرم کیا ہے میں نے ان کو چاہ کر..... میری بات میں شاید وزن تھا' اس لیے وہ خاموش سی ہو کر مجھے تکنے لگیں۔

"نوال! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم..... خیر! ابھی اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرو۔ اس ٹاپک کو پھر ڈسکس کریں گے۔" وہ بے حد پریشان صورت لیے میرے کمرے سے گئی تھیں۔ مجھے تو اپنی محبت کے سوا کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ٹیسٹ میں مما کے سمجھانے پر جیسے تیسے دے آئی تھی۔ کل رات سے میں نے کچھ نہیں پڑھا تھا مگر یہ کئی ماہ کی محنت کا نتیجہ تھا کہ ٹیسٹ توقع سے زیادہ اچھا ہوا تھا۔ احرار آج صبح اچانک ہی اسلام آباد چلے گئے تھے۔ اس بات کی اطلاع سینٹر سے واپسی پر مجھے چچی نے دی تھی۔ مجھے اپنے ذہن پر قدرے کم تناؤ محسوس ہوا۔

اور اس سے اگلے دو دن بعد میں نے جو خبر سنی' وہ کسی قیامت سے کم نہیں تھی احرار نے مدیحہ کے ساتھ شادی کے لیے ہاں بھرلی تھی صرف مجھ سے بچنے کے لیے۔ مجھے میری غلطی کا احساس دلانے کے لیے..... یہ بتانے کے لیے کہ میں نے ان سے محبت کرکے کتنی بڑی حماقت کی ہے۔ مجھے مما نے بتایا تو میں نے صاف کہہ دیا۔

"مما! میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" پتا نہیں یہ محبت اتنا بہادر کیسے بنا دیتی ہے۔

"کیا کرو گی تم..... بتاؤ۔ مجھے بھابھی بہت خوشی سے یہ رشتہ لے کر جا رہی ہیں۔ انہیں اپنی بھانجی بھتیجی بہت عزیز ہیں۔ وہ مدیحہ کو بہو بنانا چاہتی ہیں۔"

"مما! آپ ان سے بات کریں نا۔"

"کیا بات کروں..... یہ کہ میری بیٹی آپ کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ زبردستی اس کی منشاء کے برخلاف۔" مما چبا چبا کر بولی تھیں۔

"وہ تمہیں ریجیکٹ کر چکا ہے نوال!"

"پلیز مما! ایسا مت کہیں۔" میں پھر سے رونے لگی۔

"نوال! تمہیں کیا ہو گیا ہے جان..... تم ایسی کب سے ہو گئیں۔" وہ تھک سی گئی تھیں۔

"مجھے کچھ نہیں پتہ مما! احرار صرف میرے ہیں' انہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا اور آپ یاد رکھیے گا مما! اگر ایسا کچھ ہوا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

☼ ☼ ☼

تین دن بعد احرار گھر واپس آگئے تھے۔ تائی امی فون پر اپنے بھائی سے بات کر چکی تھیں۔ اب باقاعدہ رسم کے لیے دن طے ہونا تھا۔ میں ایک بار پھر اپنی انا کو قدموں میں کچل کر احرار مبشر کے مقابل تھی۔

اس بار انہوں نے میری طرف ہمیشہ کی طرح مشفقانہ مسکراہٹ سے نہیں دیکھا بلکہ بے زاری سے منہ پھیر لیا۔

"اگر تم ایکسکیوز کرنے آئی ہو تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ سے ایکسکیوز کرنے آئی ہوں۔"

"تو پھر اس وقت میرے کمرے میں کیوں آئی ہو؟" میری طرف پلٹتے ہوئے انہوں نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر سوئیاں گیارہ بجا رہی تھیں۔

"سنا ہے منگل کو آپ کی مدیحہ آپی سے انگیجمنٹ ہو رہی ہے۔"

"ہاں..... ٹھیک سنا ہے۔" وہ خاصے ضبط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"آپ دل سے راضی ہیں اس رشتے کے لیے؟"

"میں دل سے راضی ہوں یا نہیں یہ میرا پرسنل معاملہ

ہے۔ تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"ایک بات یاد رکھیے گا احرار! لوگ کہتے ہیں نوال بہت فراخ دل ہے۔ اکثر اپنی پسندیدہ چیزیں بھی دوسروں کو دے دیتی ہے مگر اب بات محبت کی ہے۔"

"تم....." وہ پھنکار کر میری طرف بڑھے۔

"اگر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مدیحہ آپی سے انگیجمنٹ کے لیے میں اتنی آسانی سے آپ سے دستبردار ہو جاؤں گی تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔"

"میں نہیں چاہتا کہ تم پر دوسری بار میرا ہاتھ اٹھے۔ اس لیے چلی جاؤ۔"

"میں صرف آپ کو بتانے آئی تھی کہ آپ کی انگیجمنٹ تو کیا میرج بھی ضرور ہوگی مگر مدیحہ ارسل سے نہیں نوال احمر سے۔" میں ہرگز اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔

"نوال! تم کیوں میرے ضبط کو آزمانے پر تل گئی ہو۔" میرے لہجے نے انہیں قدرے نرم کر دیا۔

"آپ میری محبت آزما رہے ہیں کیا میں آپ کا ضبط بھی نہ آزماؤں۔" میں ان کے سامنے رو کر کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اس لیے واپس پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

"ممی! میری بلیک ٹائی کدھر ہے، کب سے ڈھونڈ رہا ہوں، وارڈروب میں مل ہی نہیں رہی۔"

عظام کی آواز پر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو کاریڈور میں کافی چہل پہل نظر آئی۔ آج شام احرار کی مدیحہ آپی سے منگنی کی رسم ہونا تھی۔ پورے گھر میں ہی جوش و خروش کی لہر دوڑی تھی۔

میں گوشہ نشین ہو کر رہ گئی تھی جس پر مما کی زبانی سب کی شکایت وقتاً فوقتاً ملتی رہتی۔ بابا جان کئی بار آ کر میری خیریت دریافت کر چکے تھے۔ پتہ نہیں مما نے ان سے کیا کہا تھا ابی اس گھر میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ جس کا ادراک مجھے ان چند دنوں میں ہوا تھا۔ وہ بلاناغہ رات کو میرے پاس آتے اور ہم پہلے کی طرح کرنٹ افیرز پر بات چیت کرتے تھے۔

آج شام کو احرار مبشر کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام جڑنے والا تھا۔ یہی سوچ سوچ کر میرے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں۔ اتنی بے بس میں کبھی بھی نہیں رہی تھی۔

احرار سے بہت دعوے کیے تھے میں نے اور اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں، مما نے میرا اسٹیٹس ... سے نکال کر رکھ دیا تھا۔ میں بالکل خاموشی سے ... ہونے کے حوالے سے گائیڈ لائن لیتی رہی اور جب ... میرے بیڈ روم سے باہر نکلیں تو میں ایک فیصلہ کر کے ... سے نیچے اتری۔ یہ آخری حل مجھے اس مسئلے ... کے لیے لگا تھا۔ سب ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف ... میں دبے پاؤں ابی کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اسی وقت سیاہ شلوار سوٹ میں احرار اپنے بیڈ روم سے باہر نکلے۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر پھول ... لیے ٹھٹک گئے۔ میرا دل بے ساختہ چاہا کہ یہ لمحے صدیوں میں بدل جائیں لیکن انہیں جیسے ایک دم ہوش آیا تو ... میرے پاس سے گزرتے چلے گئے۔ میرے دل پر بوجھ سا آ پڑا۔ بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے میں ابی کے کمرے میں آ گئی۔ ان کی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے مجھے اپنی مطلوبہ شے مل گئی۔ اس مسرت بھری شام سے مسکراہٹیں چرانے کے لیے مجھے اپنی ذات، اپنی زندگی کی قیمت لگانی پڑی ... اگلے لمحے مختصر سی شیشی میں موجود گولیاں نگل چکی تھی۔

محبت جنونی ہو جائے تو دیوانہ بنا دیتی ہے اور میں تو تھی ہی دیوانی۔ اس لیے جذباتیت کی انتہا کر چکی تھی۔ میں اس گھر کی واحد لڑکی تھی جس کی غیر موجودگی نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ہمدانی ولا میں میرے نام کی ڈھنڈیا پڑ چکی تھی۔ مگر جب تک میں گردوپیش سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

میری آنکھ کھلی تو سفید چھت پہ گھومتا ہوا پنکھا میری نگاہ کے سامنے تھا۔ بمشکل آنکھیں وا کر کے میں نے خود پر جھکے چہروں کو پہچان میں لانا چاہا۔ ممتا کے نور سے جگمگاتا اور آنسوؤں سے تر تر سب سے پہلا چہرہ میری ماں کا تھا۔

"مما!" میں جیسے منوں بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔

"جی..... مما کی جان۔" وہ جیسے تڑپ کر گویا ہوئیں۔

"نوال! آنکھیں کھولو بیٹا۔" یہ آواز ابی کی تھی۔

"نوال گڑیا! میری طرف دیکھو اپنے بابا جان کی طرف۔" پھر سب کی آوازیں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں تو میں پھر سے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی۔

"دوبارہ جب ہوش آیا تو پہلے کی نسبت طبیعت بہتر تھی۔

"نوال! یہ کیا حرکت کی بیٹا؟ ہمارا ابھی خیال نہیں کیا..... اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو....." مما مسلسل رو رہی تھیں۔ بابا جان سنجیدہ صورت لیے بے حد خاموش تھے۔ پتہ نہیں انہیں میری حرکت گراں گزری تھی یا وہ شاکڈ تھے۔

"تم نے ایک بار تو اپنے ابی سے کہا ہوتا۔ میں دیکھتا کون میری بچی کو ریجیکٹ کرتا ہے۔ احرار کے تو خوب کان کھینچوں گا میں، تمہاری ماں سے میں نے زبردستی اگلوایا سب کچھ نوال چندا! کچھ تو سوچا ہوتا یہ کیا اپنی جان عذاب میں ڈال دی۔ وہ تو میں چینج کرنے کے لیے کمرے میں آیا تو تم میرے بیڈ پر لڑھکی ہوئی تھیں اور تمہارے ہاتھ میں میری سلیپنگ پلز کی خالی شیشی..... مت پوچھو بیٹا! قیامت کا لمحہ کسے کہتے ہیں۔ تم ہمیں بہت عزیز ہو چندا! کیا محبتوں کا اتنا کڑا اخراج لیتے ہیں؟"

"ابی ایں....." مجھے اتنا ڈھیر سارا رونا آ رہا تھا۔

"سب کچھ بھول جاؤ بیٹا..... اور جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ ہو گا وہی جو تم چاہتی ہو۔" انہوں نے میری پیشانی چوم کر یقین دلایا تھا، میرے تڑپتے ہوئے دل کو ایک دم قرار آ گیا تھا۔

میں تین دن اسپتال میں ایڈمٹ رہی۔ ڈاکٹرز کے مطابق اگر مزید کچھ دیر ہو جاتی تو میری دماغ کی شریان پھٹ سکتی تھی۔ میں کوما میں بھی جا سکتی تھی۔ سود و زیاں کے معاملے میں نے بعد میں شمار کیے میں نے تو دین و دنیا کا خسارہ مول لیا تھا۔ اگر میں مر جاتی تو جہنم کی آگ میں جلتی اور زندہ رہ کر میں نے بدنامی کے دروازے کھول دیے تھے۔ ایک فانی محبت کے لیے ابدی جہنم خریدنے چلی تھی میں، میری پشیمانی کی انتہا نہیں تھی۔ پولیس کیس کے ڈر سے ڈاکٹرز ٹریٹ منٹ دینے سے انکاری تھے مگر یہاں بھی احرار مبشر کی دوستی کام آئی۔ اس نے میری ذات پر ایک احسان یہی کیا تھا۔ مجھے جہنم کی آگ سے بچا لیا تھا توبہ کی توفیق دے دی تھی۔

ان دنوں ہمدانی ولا میں جیسے برسوں کا سناٹا اترا ہوا تھا۔ در و دیوار پر وحشت بھری خاموشی چھائی رہتی۔ میری اس حرکت نے لوگوں کو سوالیہ نشان دے دیا تھا اور مما چپ کی بکل اوڑھے اپنی ممتا کا سایہ میرے سر پر کیے رکھتیں۔ دنیا داری نبھانا بہت مشکل ہے۔ اس کا اندازہ تب ہوتا ہے۔ جب دنیا سے واسطہ پڑے۔ تائی امی نے جانے کس دل سے اپنی بھتیجی کے لیے انکار کیا ہو گا۔ مجھے اس بات کا شدید قلق تھا۔

مگر احرار مبشر ایسی شخصیت تھے جنہیں بس منوانا آتا تھا پھر وہ مانتے کیوں؟

ان کی انا کی تحقیر ہوئی تھی۔ وہ اس لڑکی کو کیسے قبول کر لیتے جس نے ان کی ذات کو تماشا بنا دیا۔ سب کی معنی خیز نگاہیں ان پر اٹھتیں تو وہ جیسے ضبط گنوانے لگتے وہ بے قصور تھے سزاوار تو میں تھی پھر وہ میرے حصے کی سزا خود پر کیوں لیتے۔

انہوں نے ہمدانی ولا کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابی نے ان سے کہا تھا کہ

"اگر نوال کو تم نے اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا تو اس گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں اور انہوں نے نوال احمر کو ٹھکرا کر ہمدانی ولا کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ تائی امی کو مجھ سے کوئی عناد نہ تھا۔ وہ مجھے بھی کچھ نہیں کہتی تھیں بس چپ چاپ آنسو بہائے جاتیں اور میں..... میں تو اپنی بچھائی ہوئی بساط کا پانسہ پلٹتے دیکھ کر حق دق تھی۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود..... اتنا سب کچھ سہنے کے باوجود مجھے احرار مبشر نہ ملے۔

واقعی اس دنیا میں دو دلوں کی شدید محبت سے بھی بڑھ کر ایک اور چیز ہوا کرتی ہے جسے تقدیر کہا جاتا ہے اور میں تو احرار مبشر کی محبت بھی نہ تھی، ہاں وہ مجھ سے نفرت ضرور کرنے لگے تھے۔ میں نے ان کے شفاف آئینے جیسے کردار کو اپنی پاکیزہ محبت سے داغ دار کیا تھا۔ وہ مجھ سے نفرت نہ کرتے تو کیا کرتے۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے مجھ سے بات کرنا تو در کنار میری طرف نگاہ اٹھانا بھی گناہ سمجھا تھا۔

پھر وہ چلے گئے۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں نے احرار کو اپنی ضد کے ہاتھوں گنوا دیا ہے۔ وہ شخص جو میری محبت تھا، میں نے اسے دعا نہیں بنایا..... اسے انا بنا لیا، اپنی ضد۔ پھر نارسائی تو مقدر ہونا تھی۔

☼ ☼ ☼

میرا دل ان دنوں ہر شے سے اس قدر اچاٹ ہوا کہ میں نے میڈیکل فیلڈ کو خدا حافظ کہہ کر بی ایس کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ میں اپنی غلطی پر پشیمان تھی شاید اس طرح خود کو سزا دینا چاہتی تھی۔ سب نے ہی مجھے

سمجھایا لیکن میں اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔
"مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔"
"کیوں.....؟" اس کا جواب خود مجھے بھی معلوم نہیں تھا۔

دو سال تک احرار مبشر نے سوائے تائی امی کے کسی سے بھی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ وہ جرمنی جا چکے تھے۔ انہیں اپنے وطن سے حد درجہ محبت تھی۔ وہ اکثر حب الوطنی پر لیکچر دیتے تھے۔ انہیں ان لوگوں سے نفرت تھی جو پاکستان سے عزت، نام شہرت کما کر وقت پڑنے پر اسے چھوڑ جاتے تھے اور اب خود ان کی حب الوطنی کیا ہوئی تھی۔ پہلے وہ اسلام آباد فرح آپی کے ہاں گئے تھے، پھر یہ خبر ملی کہ وہ جرمنی چلے گئے ہیں، تائی امی کی آنکھیں پرنم ہوتیں تو مجھے احساس ندامت گھیر لیتا۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ہماری جذباتیت کم ہو جاتی ہے بلکہ طبیعت اور انداز میں بھی ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ مجھے اپنی محبت آج بھی غلط نہیں لگتی تھی..... لیکن میرا طریق کار غلط تھا محبت حرف پانے کا تو نام نہیں۔ ان دو برسوں میں میں اپنی ذات میں کچھ اس طرح سمٹی کہ کئی کئی دن کسی سے بات کیے ہوئے گزر جاتے۔ وہ نوال احمر جیسے کہیں کھو گئی تھی جس کی ہر طرف صدائیں پڑتی تھیں اور وہ جو ہمہ وقت مینا کی طرح چہکتی رہتی۔ صرف انیس برس کی عمر میں مجھ میں بلا کی سنجیدگی اور متانت آچکی تھی۔ مجھے اپنی اس حرکت پر بے حد دکھ ہوتا کہ احرار مبشر جیسے شخص کے لیے میں نے اپنی زندگی کو موت کے سپرد کرنا چاہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔

اریب اسفر کو مجھ سے محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس کے ہر ہر انداز سے ہوتا تھا لیکن وہ اتنا فراخ دل ہرگز نہیں تھا کہ کسی ایسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا جو کسی کی محبت میں دیوانی تھی اور پھر چچی تو پہلے ہی مجھ سے متنفر ہو چکی تھیں۔

گریجویشن کے بعد میں ماسٹرز کرنا چاہتی تھی لیکن پھر زہیر حاذق کا پروپزل آگیا۔ وہ یونیورسٹی میں مجھ سے دو سال سینئر تھا۔ پتہ نہیں اسے میری خاموش شخصیت میں ایسی کیا بات نظر آئی کہ اس نے میری چوکھٹ پہ قدم دھرا تو پلٹ کر نہیں دیکھا میرے زخم ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے۔

میں آج بھی اکثر احرار مبشر کے لیے بے چین و مضطرب ہو جاتی تھی۔

انہوں نے ابھی تک کسی کو اپنایا نہیں تھا۔ اریسل سے شادی کے لیے بھی رضامند ہو گئے تھے تو اب تک تنہا کیوں تھے۔

میری زندگی میں احرار مبشر کے سوا کسی کے لیے کچھ نہیں تھی۔ میرے دل میں ان کے علاوہ کسی کا گزر نہیں تھا۔ میں زہیر حاذق سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر..... میں اپنے والدین کو مزید دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔

بابا جان بالکل ٹھیک ٹھاک تھے پھر اچانک ہی انہیں برین ٹیومر ہو گیا۔ ان کے سر میں معمولی درد رہتا تھا مگر کسی کو گمان تک نہیں تھا کہ بات اس حد تک پہنچ جائے گی۔ جو بات مجھ سے کوئی نہ منوا سکا۔ زہیر حاذق کی بے غرض محبت بھی نہیں۔ وہ بابا جان کی روتی ہوئی آنکھوں نے منوا لی۔ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ اسپتال میں تھے ادھر میں نے زہیر حاذق کے نام کا سرخ جوڑا پہن کر نکاح نامہ دستخط کیے اور ادھر انہیں قضاء لینے آپہنچی۔ پھر میں نے احرار مبشر کا نام ہتھیلیوں سے کھرچ دیا بس اس کی محبت کو دل سے نہ نکال سکی۔

☼ ☼ ☼

کون سے دکھ کی کریں بات ذرا یہ تو بتا!
موسموں، سرد ہواؤں کی مسیحائی کا دکھ
راہ کی دھول میں بکھری ہوئی بینائی کا دکھ
سنگ کے شہر میں خود سے شناسائی کا دکھ
یا کسی بھیگتی برسات میں تنہائی کا دکھ
کون سے دکھ کی کریں بات کہ دل کا دریا
اتنی طغیانی کی زد پہ ہے کہ کچھ یاد نہیں
کب ہمیں بھول گیا کون سے ہرجائی کا دکھ
تم تو بس ایک ہی دکھ پوچھتے ہو!

"نوال! تم جانتی ہو۔ مجھے سب سے پہلے تمہاری کس چیز نے اٹریکٹ کیا تھا؟" شادی کی پہلی رات زہیر حاذق نے مجھ سے پوچھا تھا اور میں ٹکر ٹکر اس مہربان کی صورت دیکھتی رہی جو کتنا بے خبر تھا۔

"تمہاری آنکھیں میرے قدموں کی زنجیر بنی تھیں۔ ان میں پھیلا حزن و ملال اور گہرا اسرار جسے کھوجنے کی چاہ میں میں تم تک چلا آیا..... یہ اتنی اداس اور افسردہ کیوں رہتی ہیں نوال؟"

"ان کے خواب اجڑ گئے تھے..... دکھوں کے اندھے موسم ان کی رعنائی اپنے ساتھ ..... بہالے گئے۔"

"اتنی چپ چپ کیوں ہو؟ کیا تم اس شادی کے لیے دل سے رضامند نہیں تھیں؟ میں جانتا ہوں، تمہیں ماسٹرز کمپلیٹ کرنے کی فکر ہو گی..... ڈونٹ وری یار! میں روایتی قسم کا شوہر نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو خود چاہوں گا کہ تم اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرو۔ بس اگر یہ واہمہ نہ ہوتا کہ کہیں تم میری دسترس سے دور نہ ہو جاؤ تو میں انتظار کر لیتا لیکن ڈیئر! یہ انتظار بہت ظالم شے ہے۔ خیر! تمہیں کیا پتا؟ تم نے کون سا کبھی کسی کا انتظار کیا ہو گا؟"

"انتظار....." میں نے سر جھکا لیا۔ "میں نے ہر لمحہ اس معجزے کی طلب کی تھی کہ احرار مبشر کو میری محبت کا احساس ہو جائے اور وہ میرے لیے واپس پلٹ آئے مگر انتظار..... یہ واقعی بہت جان لیوا شے ہے۔ مجھ سے بڑھ کر کون جانے گا؟"

"یار! کوئی بات تو کرو۔" وہ اب پریشان سے ہو کر بولے تھے۔

"کیا بات کروں؟" میرے لفظوں پر تو قفل لگ چکا تھا۔ زبان شاید زنگ آلود ہو گئی تھی۔

"کوئی بھی بات..... اپنے متعلق۔ میرے بارے میں، ویسے میرون کلر بہت سوٹ کرتا ہے تمہیں۔ پہلے میرا خیال تھا تم پر گرے کلر سوٹ کرتا ہے۔ جب میں نے تمہیں۔ فرسٹ ٹائم دیکھا تو تم نے گرے سوٹ ہی پہنا ہوا تھا۔ پھر بعد میں رائے بدل گئی۔ اس کائنات کا ہر رنگ بنا ہی تمہارے لیے ہے۔ ویسے تمہیں کون سا کلر پسند ہے؟"

"سیاہ....." (اپنے نصیب جیسا)

"بلیک کلر..... اچھا کلر ہے۔ نوال! اس گھر میں صرف میں اور ممی ہی رہتے ہیں۔ بہن بھائی کوئی ہے نہیں۔ ڈیڈ کافی عرصے پہلے انتقال کر گئے۔ ان کی ڈیتھ کے بعد ممی نے بہت ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کر کے ان کے بزنس کو سنبھالا دیا۔ میری ماں ایک عظیم ماں ہی نہیں ایک بہادر عورت بھی ہیں۔ انہوں نے تن تنہا حالات اور مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ اس لیے وہ کسی حد تک ترش مزاج بھی ہو گئی ہیں۔ میں یہ سب تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ اگر وہ تمہیں کچھ کہہ بھی دیں تو پلیز ان سے کچھ مت کہنا۔ مجھ سے بات کرنا، میں تم سے ایکسکیوز کر لوں گا۔"

"جی بہتر..... مجھے نیند آرہی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔" میں بے حد تھک گئی تھی۔

"ایز یو وش..... وہ سامنے واش روم ہے چینج کر لو، میں ممی کو ٹیبلٹ دے کر آتا ہوں۔" وہ میرا ہاتھ سہلا کر باہر نکل گئے اور میں دل کو سہلانے لگی جس کے زخم ادھڑ سے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

مجھے اکثر زہیر حاذق کی بے غرض چاہت اور بے تحاشا محبت پر حیرت ہوتی تھی۔ جانے کیسا شخص تھا وہ..... میں نے جتنا عرصہ اس کی رفاقت میں گزارا، اس کی پذیرائی نہیں کی اور وہ پھر بھی اوّل روز کی طرح چاہتا رہا مجھے۔ کانچ کی گڑیا کی طرح سنبھالے رکھا اس نے..... میری اس قدر پروا کی کہ میں ماضی کو بھولنے لگی تھی۔ احرار مبشر کو فراموش کرنے لگی تھی۔

جب احزم اس کی محبت کا نشان لے کر اس دنیا میں آیا تو اس روز میں نے اللہ کا بے حد شکر ادا کیا جس نے مجھے زہیر حاذق جیسا شخص دیا جس نے مجھے اولاد کی نعمت دی۔ مگر بعض لوگوں کو خوشیاں راس نہیں آتیں۔

اب جبکہ میں احرار مبشر کو فراموش کر کے زہیر حاذق کی طرف پلٹنے لگی تھی۔ اس کی بے غرض محبت مجھے زنجیر کرنے لگی تھی تو تقدیر نے ایک اور کاری وار کر دیا۔

"یار! شام کو احزم کو تیار کر لینا۔ لانگ ڈرائیو پر چلیں گے اور واپسی میں کینڈل لائٹ ڈنر....." بے حد مصروف انداز میں انہوں نے پرام میں لیٹے احزم کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا۔

"تم وہ بلیو سوٹ پہننا جو اس روز میں لایا تھا۔"

"مگر وہ تو میں عافیہ کی منگنی پر پہنوں گی،" میں نے ان کی کزن کا حوالہ دیا۔

"منگنی کے لیے نیا لے لینا، آج تم وہی پہننا۔"

"حاذق! بہت فضول خرچ ہیں آپ؟"

"مسز! میں اتنا کماتا کس کے لیے ہوں۔ اپنے گھر والوں کے لیے نا، تو فضول خرچی کیسی۔ ممی آج آفس نہیں جائیں گی۔ ان کا بی پی لو ہو رہا ہے۔ انہیں یاد سے ٹیبلٹ دے دینا۔ بہت کیئر لیس ہیں وہ اپنی صحت کے حوالے سے۔"

"او کے باس!" میں ہنس پڑی۔

"ہنستی رہا کرو ڈیئر.... بہت سوٹ کرتی ہے تم پر ہنسی۔" ہولے سے میرا رخسار چھو کر وہ باہر نکل گئے۔

"حاذق.... اپنی رسٹ واچ تو لیتے جائیں۔" ٹیبل سے ان کی گھڑی اٹھا کر ان کے پیچھے لپکی۔

"کیا ہے یار! سب کچھ بھلا دیتی ہو۔"

"آپ کا اپنا دھیان جانے کہاں رہتا ہے۔" میں ان کی کلائی میں گھڑی باندھنے لگی۔

"وہی تو بتا رہا ہوں کہ سب کچھ بھلا دیتی ہو۔ کسی دن میں خود کو نہ بھول جاؤں۔"

"فضول بات مت کریں۔"

"نہیں کرتا.... اب سی آف تو کر آؤ۔"

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے گھورا وہ بے اختیار ہنس دیے۔

"مسکرا کر رخصت کیا کرو' کیا خبر زندگی اس کے بعد مہلت دے یا نہیں۔" وہ جان بوجھ کر مجھے تنگ کرنے کو اب اکثر ایسی باتیں کرنے لگے تھے "اور میں تمہاری خوب صورت مسکراہٹ...."

"حاذق! بہت برے ہیں آپ.... اب بات مت کیجیے گا۔"

"محبت تو کر سکتا ہوں نا بہت زور سے لٹ کھینچی تھی میں چڑ گئی۔

"اب دیر نہیں ہو رہی آفس سے.... صبح سے جلدی جلدی مچا رکھی تھی۔"

"پتہ نہیں کیا بات ہے یار! ابھی کھڑے کھڑے میرا موڈ بدل گیا ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو آج آفس سے ٹلا مار لوں۔ موسم بھی تو قیامت ہو رہا ہے۔"

"اب جائیں بھی.... مجھے ممی کو بریک فاسٹ بھی دینا ہے۔" میں انہیں دھکیل کر بولی۔

"ممی کی بڑی فکر رہتی ہے۔ ان کے بیٹے کی کوئی فکر نہیں۔ بس میرا موڈ نہیں ہو رہا آفس کے لیے۔" وہ دوبارہ سے بیڈ پر آکر بیٹھ گئے۔

"صدقے جاؤں میں آپ کے موڈ کے.... آپ بیٹھے رہیں۔ میں کچن میں جا رہی ہوں۔" میں دوپٹہ شانوں پر ڈال کر بیڈ روم سے جانے لگی۔

"یار' خفا تو مت ہوا کرو۔ اچھا جا رہا ہوں۔" وہ پھر سے اٹھ گئے۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ وہ اس کے بعد کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے تو میں کبھی ان کو زبردستی رخصت نہ کرتی۔

وہ جانے سے انکاری تھے اور میں نے انہیں بھیج کر وہ کیا میں بھی ملک الموت کے ساتھ ان کی زندگی کے خلاف سازش میں مصروف ہو گئی تھی۔

صرف پندرہ منٹ ہی تو ہوئے تھے انہیں گھر سے گئے جب ان کے شدید ایکسیڈنٹ کی خبر آ گئی۔ وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے اور میں.... میں تو شاک کے عالم میں اپنے آنگن میں بکھرتی ٹوٹتی چوڑیاں دیکھ رہی تھی۔

کیا موت اس قدر سفاکی سے وار کر دیتی ہے.... صرف پندرہ منٹ پہلے تو وہ مسکراتے ہوئے رخصت ہوئے تھے۔

"مسکرا کر رخصت کیا کرو' کیا خبر زندگی مہلت دے یا نہیں۔" شاید انہیں ادراک ہوا تھا۔ اس لیے وہ آفس جانے سے گریزاں تھے۔ مرنے کو کسی کا دل نہیں چاہتا۔ مگر پھر بھی سب مر جاتے ہیں۔

کیا اتنی مختصر تھی خوشیوں کی سوغات.... ممی میں اپنے جوان بیٹے کو کھونے کا حوصلہ نہیں تھا۔ صرف چند ماہ بعد وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں اور میں پھر سے ہمدانی ولا آ گئی جہاں میں دوبارہ کبھی نہیں آنا چاہتی تھی لیکن ہمیشہ وہ کہاں ہوتا ہے جو دل چاہتا ہے۔ زہیر حاذق کی تمام تر پراپرٹی میرے اور میرے بیٹے کے نام منتقل ہو چکی تھی۔

زہیر حاذق میری زندگی کا ایسا حصہ تھا جو لمحوں میں آکر صدیوں پر محیط ہو چکا تھا۔ ان ہی کے ایماء پر میں نے اپنا ماسٹر مکمل کیا تھا۔ ہمدانی ولا واپس آکر میں نے لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کر دیا یہاں سب کچھ ویسے کا ویسا نہیں تھا جیسے میں چھوڑ کر گئی تھی۔ ابی اور تائی امی مزید بوڑھے ہو چکے تھے۔ احرار مبشر آج بھی واپس نہیں لوٹے تھے گو کہ ابی نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ ضمیر' تانیہ سے شادی کے بعد لاہور شفٹ ہو چکا تھا۔ اس کی جاب وہیں پر تھی۔ اریب کی اپنی کزن سے منگنی ہو چکی تھی۔ عظام بھی جاب اسٹارٹ کر چکا تھا اور مما....

چھ سال بعد میں نے محسوس کیا کہ مما کس قدر اکیلی ہیں۔ بابا جان کی وفات کے بعد میرا ہمدانی ولا سے تعلق جیسے کٹ سا گیا تھا۔ میں بہت کم یہاں آتی تھی اور اب میں نے مما کو دیکھا تو مجھے دکھ اور اذیت کا بے پایاں احساس ہوا تھا۔ پھر میں نے اور مما نے اپنے غم اور خوشیاں بانٹ لیں۔ میں خود کو نئے سرے سے جوڑ کر زندگی احرم زہیر کے لیے جینے لگی تھی کہ اب.... میرے ماضی کا ایک تلخ باب حقیقت بن کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ احرار مبشر۔

...مسکرانے کا فن سکھایا تھا۔ اس نے مجھے اتنے ...تھے کہ مجھے اس کے وجود سے نفرت سی ہونے ...میری آنکھ میں پہلی بار آنسو اس کی وجہ سے ...جو تج تک نہیں رکے تھے۔

☼ ☼ ☼

...رات بھر میں جاگتی رہی تھی۔

"مجھے رت جگے منانے کا شوق لاحق نہیں تھا مگر بعض ...سود و زیاں کا گوشوارہ بناتے بناتے زندگی یونہی رت ...کی نذر ہو جاتی ہے۔ میرا کالج جانے کا بالکل موڈ ...نہیں تھا لیکن میں احرار مبشر کی وجہ سے کالج چلی گئی۔

واپس آئی تو وہ لاؤنج میں نیم دراز کوئی ٹاک شو دیکھنے میں ...مصروف تھے تائی امی اور چچی میٹرس پہ کسی ڈیزائن کو ...ڈسکس کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" بادل نخواستہ مجھے سلام کرنا پڑا۔

"وعلیکم السلام" سب سے پہلے جواب ان ہی کی طرف ...سے آیا تھا۔ جب ہی احرم بھاگتا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھوں ...میں کوئی گیم تھا۔

"انکل.... انکل دیکھیں میرے اسکور...." وہ سرخ چہرہ ...لیے خاصے پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا۔ پھر مجھ پر نگاہ پڑتے ...ہی میری طرف آ گیا۔

"مما.... مجھے یہ گیم انکل نے دیا ہے۔ اچھا ہے نا مما.... ...انہوں نے مجھے" وہ ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اس ...کے ہاتھ سے گیم چھین لی۔

"اس قسم کے فضول وڈیو گیمز کھیلنے کی ضرورت نہیں ...ہے تمہیں...." پھر اسے گود میں اٹھا کر میں نے گیم احرار ...کے سامنے ٹیبل پر ڈال دیا اور خود اوپری منزل کی ...سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"کیا ہوا مما؟ اتنا اچھا گیم تھا...." میں احرم منہ بسورنے ...

"آپ اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلو.... یہ ٹیڈی بیئر ...آپ کا دوست۔ آج آپ نے اسے اسٹوری نہیں ...

"...نہیں.... مجھے نہیں کھیلنا اس کے ساتھ۔ مجھے وہ ...اچھا ہے۔" وہ مچلنے لگا۔

"...ان کی گیم ہے۔ اگر آپ کو ویسا گیم چاہیے تو میں ...شام کو ایسا ہی گیم مارکیٹ سے دلا لاؤں گی۔" بیڈ پر اسے اپنے ساتھ لٹا کر میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"مگر انکل وہ گیم میرے لیے لائے تھے۔"

"اب تو ہم نے انہیں گیم واپس کر دی۔ اب دوبارہ اچھا تو نہیں لگے گا ان سے گیم مانگنا۔"

"میں لے آتا ہوں مما! وہ مجھے دے دیں گے۔" وہ اٹھنے لگا۔

"بیٹا! مما کو تنگ نہیں کرتے۔ ابھی مما کالج سے آئی ہیں۔ انہوں نے لنچ بھی نہیں لیا۔ کپڑے بھی چینج نہیں کیے۔"

"تو آپ لنچ کر لیں نا۔ مجھے کیوں روم میں لے کر آئی ہیں۔"

"احرم! بحث نہیں کرتے.... چپ چاپ لیٹ جاؤ۔" مجھے اس کی بے وجہ تکرار پر غصہ آنے لگا۔

"مجھے وہ گیم چاہیے ابھی.... مجھے نہیں پتا۔" وہ پیر پٹخنے لگا۔

"احرم! آپ مار کھاؤ گے مجھ سے۔"

"مجھے آپ کے پاس نہیں سونا...." وہ کروٹ بدل کر بیڈ سے نیچے اتر گیا۔ "میں ابی کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ گندی مما ہیں۔ مجھے ڈانٹتی ہیں اور اب ماریں گی بھی۔ میں آپ کے پاس نہیں سوؤں گا۔" وہ بڑبڑاتا ہوا باہر بھاگ گیا۔ میں گہرا سانس لے کر اٹھ بیٹھی۔

☼ ☼ ☼

صرف چند ہی دنوں میں میرا بیٹا احرم زہیر مجھے بھولنے لگا تھا۔ اب ہر وقت اس کی زبان پر انکل انکل کی تکرار ہوتی۔ لفظ انکل تو باقاعدہ میری چڑ بننے لگا تھا۔ میں جانتی تھی.... آج سے چھ برس پہلے تک میں جانتی تھی کہ احرار کو بچوں سے کس حد تک دلچسپی ہے؟ انہوں نے اپنے بھانجوں کو بھی کبھی ماموں والا پیار نہیں دیا تھا' بچے انہیں ناپسند نہیں تو پسند بھی نہیں کرتے تھے اور اب.... انہیں احرم سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی تھی۔ اس کی ماں سے تو وہ غالباً نفرت کرتے تھے۔ ان کی روز روز کی نازبرداریوں سے تنگ آکر مجھے انہیں ٹوکنا ہی پڑا۔ آج سنڈے کے باعث میرا آف تھا۔ اس لیے اپنی وارڈ روب کی تفصیلی صفائی کرنے کے بعد میں میلے کپڑے دھلائی کرنے کی غرض سے نیچے آئی تو وہ ان کی انگلی پکڑے نک سک سے درست کہیں

جانے کو تیار تھا۔

"احزم!" میں نے چلا کر اسے پکارا۔ دونوں وہیں رک گئے۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" احرار مبشر کو قطعی نظر انداز کیے میں نے کڑی نگاہوں سے احزم کو دیکھا جو سہمی ہوئی نظروں سے احرار کو دیکھنے لگا تھا۔

"ہم دونوں سی سائیڈ جا رہے ہیں۔"

"میں آپ سے نہیں اپنے بیٹے سے بات کر رہی ہوں۔"

"مما..... وہ ہم..... سی سائیڈ۔" وہ ہراساں نظروں سے احرار کو دیکھنے لگا۔

"مجھ سے اجازت لی آپ نے؟"

"سوری مما!"

"آپ اندر جاؤ....."

"جی اچھا....." وہ احرار کی انگلی چھوڑ کر اندر بھاگ گیا تو سینے پر بازو لپیٹ کر میں ان کے سامنے آگئی۔

"آپ کس رشتے سے میرے بیٹے سے اتنی محبتیں جتاتے ہیں۔"

"تم بعض اوقات بہت زیادتی کر جاتی ہو نوال! احزم ابھی۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں یہ پسند نہیں؟"

"اگر پسند کروں بھی تو کس بنیاد پر..... آپ کے اور میرے مابین تعلق ہے ہی کیا؟ کیوں آپ میرے بیٹے کو اپنا عادی بنانا چاہتے ہیں..... لیکن نہیں..... یہ تو آپ کی پرانی عادت ہے۔ پہلے انسان کو اپنا عادی بنا لینا اور جب وہ محبت میں مبتلا ہو جائے تو اسے بری طرح دھتکار دینا....."

"احزم بچہ ہے، اسے رویوں کی سمجھ نہیں ہے۔ تم اس کے معصوم ذہن کو سوالوں سے کیوں بھر دینا چاہتی ہو؟"

"مجھے اپنے بیٹے کی آپ سے زیادہ پروا ہے۔ اس کی تربیت کیسے کرنی ہے، معلوم ہے مجھے۔"

"تمہیں کبھی بھی رویوں کو برتنا نہیں آیا نوال! نہ محبت کے رشتوں کو اور نہ اب نفرت کے....."

"آپ کو آتا ہے؟"

"آف کورس....." وہ دلکشی سے مسکرائے..... مگر میں جی جان سے سلگ گئی۔

"مسٹر! اب آپ کی یہ باتیں مجھے انسپائر کرتی ہیں اور نہ آپ کی عادتیں۔"

"میں تو اب بھی ویسا ہی ہوں جیسا چھ برس [illegible]"

"مگر میں اب ویسی نہیں رہی۔ [illegible] بے وقوف اور کم عقل۔" میں آنکھوں کی نمی چھپا [illegible] رخ موڑ گئی۔

"جذباتی تو تم آج بھی ہو نوال! ہاں، ساتھ [illegible] مزاج اور کچھ کچھ عقل مند بھی ہو گئی ہو۔"

"یہ وہ جذباتیت نہیں ہے جس کے لیے میں [illegible] بھرم، انا اور محبت کو گروی رکھ دیا تھا۔ اب حالات [illegible] بدل چکے ہیں۔"

"مگر دل تو کبھی نہیں بدلتا؟"

"تو پھر آپ کیوں بدل گئے ہیں۔ پہلے جیسے [illegible] ظالم، کٹھور، بے حس اور بے مروت کیوں بنا [illegible] لیا ہے خود پر؟"

"کیا تم ان چھ برسوں کا حال نہیں پوچھو گی مجھ سے۔"

"مجھے یہ حق کبھی ملا ہی نہیں تو پھر اب کیوں؟ اور [illegible] بھی مجھے اب احزم کے سوا کسی سے دلچسپی نہیں [illegible] اپنی ذات سے بھی نہیں۔" میں نے ان کی طرف [illegible]

"اور پلیز! آپ میرے بیٹے کو اپنا عادی مت بنا[illegible] میں نے اس کی عادتیں خراب نہیں کیں اور نہ کر[illegible] ہوں۔" یہ کہہ کر میں وہاں رکی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

مجھے احرار مبشر کہتے ہیں۔

مجھے تقدیر نے ہر شے اتنی فراخ دلی سے ودیعت کی [illegible] کہ مجھے کبھی بھی مانگنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ [illegible] سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا اور آج تک کبھی [illegible] کہ میں نے کسی شے کی خواہش کی ہو اور وہ [illegible] پہلے نہ ملی ہو۔ مجھے اپنے نصیب پر ہمیشہ رشک آتا [illegible] سے پہلے فرح تھی لیکن جو میری اہمیت تھی [illegible] دوسرے کو نہ ملی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ عفیرہ [illegible] سے پانچ سال بعد پیدا ہوئی تھی اور پانچ سال تک [illegible] سب کے حصے کی محبتیں اور توجہ سمیٹی۔ ہاں امی کو [illegible] سے فطری طور پر زیادہ محبت تھی، اس لیے وہ فرح [illegible] محبت کرتے تھے لیکن باقی سب کے لیے میں [illegible] کھلونا تھا۔ لیکن جب عفیرہ کے بعد ضمیر اور [illegible] آئے تو میری اہمیت قدرے کم ہو گئی۔ امی ڈیڈ[illegible]

محبتوں نے مجھے مغرور ہی نہیں خود پسند بھی بنا دیا تھا۔ مجھے اپنی ذات کے سوا کسی سے دلچسپی نہیں رہی اور رفتہ رفتہ میں گھر والوں سے کٹتا چلا گیا۔ اپنی ذات کے گرد میں نے اپنے سرد مزاج اور بے حس رویے سے ایسا حصار بنا لیا کہ لوگ مجھ سے کترانے لگے۔ یہ سب مجھے برا نہیں بلکہ اچھا لگتا تھا کہ لوگ مجھ سے مرعوب رہتے ہیں۔ احرار مبشر کی شخصیت میں کچھ ایسا تھا کہ وہ لاکھوں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ میری اپنی بہنیں مجھ سے کنی کترا کر گزر جاتیں۔

"بھائی کو یہ پسند نہیں..... بھائی کو یہ اچھا نہیں لگے گا ـ ان کا موڈ نہ خراب ہو جائے..... یہ چیز یہاں سے مت ہٹاؤ، احرار کو پسند نہیں آئے گا....."

اس طرح کے جملے جنہیں سن کر میں مزید اوپر اٹھ جاتا اور جب نوال احمر میری ذات میں دلچسپی لینے لگی تو مجھے اس کی توجہ اور کیئرنگ کا انداز پسند نہیں آیا۔ مجھے اس قسم کے رویوں کی عادت نہیں تھی لیکن جانے وہ لڑکی کس مٹی سے بنی تھی۔ میری کسی خفگی، بیزاری، لاتعلقی اور مروت سے عاری انداز کا اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ مجھ سے پورے گیارہ برس چھوٹی تھی۔ جب وہ گیارہ برس کی تھی تو تب میں بائیس کا تھا اور یونیورسٹی میں میرا فائنل ایئر چل رہا تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں اس نے پہلی بار میرے لیے کافی بنائی تھی۔ لیکن میں نے اس کے سامنے امی سے کہا تھا کہ میرے لیے کافی بنا دیں۔ امی اس وقت سلائی مشین پر کوئی کپڑا سی رہی تھیں۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور پھر وہ غالباً بھول گئیں۔ میں نے ان سے دوبارہ نہیں کہا مگر دس منٹ بعد جب نوال میرے لیے کافی لے کر آئی تو میں حیران رہ گیا۔

"یہ کس نے بنائی ہے؟"

"میں نے۔" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

"تم نے؟" میں نے تحیر سے کہتے ہوئے سپ لیا۔

"کیوں؟ کیا ہوا..... اچھی نہیں بنی۔ ایکچوئلی فرسٹ ٹائم بنائی ہے نا۔"

"نہیں اچھی ہے۔" میں نے اس کا دل رکھنے کی خاطر کہا ورنہ کافی بے حد بدمزہ تھی۔

"ریئلی..... مما کو مت بتایئے گا۔ وہ مجھے کچن میں جانے نہیں دیتیں۔"

اور پھر وہ یہ کارنامہ روز سرانجام دینے لگی۔ پھر میرے زیادہ تر کام گویا اس کی ذمہ داری بنتے چلے گئے۔ فرح اور عفیرہ کام چور تھیں۔ ایک کام کے لیے امی کو سو نخرے دکھاتیں مگر نوال ان سے بے حد چھوٹی ہو کر بھی بے حد پھرتیلی تھی۔ مجھے علم ہی نہیں ہو سکا کہ کب نوال احمر کے لیے احرار مبشر کی ذات اتنی اہمیت اختیار کرتی چلی گئی کہ وہ چاہتی تھی کہ میں دو دن کے لیے بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہوں۔ اس کی ہی نہیں میری عادتیں بھی خراب ہو رہی تھیں مجھے خود بھی اس کی عادت سی پڑنے لگی تھی۔ اپنے زیادہ تر کاموں کے لیے میں اسے آواز دیتا۔ فرح اور عفیرہ کی شادی ہو گئی تو پھر ہر طرف اس کی پکار پڑتی سنائی دیتی۔ امی کو اس سے فطری لگاؤ تھا۔ وہ اس قابل تھی کہ اس سے محبت کی جائے مگر احرار مبشر۔

اسے تو صرف محبت لینے کا ہنر آتا تھا۔ وہ محبت کرنا نہیں جانتا تھا۔

جب مجھے ادراک ہوا کہ نوال مجھے غیر معمولی اہمیت دیتی ہے تو میں نے خود میں سختی پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ بے سود تھا۔ میں نے سنا تھا کہ محبوب کا غصہ، اس کی خفگی بھی اس کی ادا معلوم ہوتی ہے اس کا تجربہ مجھے نوال نے کروایا۔ نوال احمر..... جسے میں بچی سمجھتا تھا۔ جس سے میں نے کبھی لاڈ پیار نہیں جتایا۔ کبھی ناز نخرے نہیں اٹھائے۔ وہ میرے لیے گیارہ برس چھوٹی ایک بچی ہی تھی ـ لیکن یہ میری غلط فہمی تھی میں اسے بچی خیال کرتا تھا۔

میں نہ کم فہم تھا نہ لاپروا..... نوال احمر کی خود میں بڑھتی دلچسپی اور غیر معمولی توجہ مجھے چونکا گئی تھی مگر جب تک میں اسے سمجھا پاتا تب تک وہ شاید سمجھنے سمجھانے کی حد سے نکل چکی تھی۔ جس شام اس نے مجھ سے یہ کہا کہ آپ ثانیہ سے شادی مت کریں، وہ ضمیر کو پسند کرتی ہے تو میں نے اسی شام اس کا عندیہ جاننے کے لیے وہ بات کی تھی کہ میں نوال کی پسند سے شادی کروں گا۔ میں اسے جتانا چاہتا تھا کہ وہ میرے لیے کیا ہے؟ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔ مگر وہ کتنی بے خوفی سے کہہ گئی تھی، وہ لڑکی وہ خود ہے۔

اس کی بات نے مجھے حیران کم کیا اور تکلیف زیادہ پہنچائی تھی۔ میں نے اپنی ذات کو اس طرح ترتیب دے رکھا تھا کہ کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پھر میں کیسے ایک بچی کی نا سمجھ محبت کے لیے خود پر جگ ہنسائی ہونے دیتا۔ مجھے اس جذبے سے عجیب سی بیزاری تھی۔ خود میرے لیے صنف مخالف کی غیر معمولی توجہ، دلچسپی عجیب

نہیں تھی۔ بہت کم عمری سے میں راجہ اندر بنا آرہا تھا۔ کالج پھر یونیورسٹی کی ہر دوسری لڑکی کو مجھ سے محبت کا بخار چڑھتا اور پھر میری لاتعلقی پر وہ کسی اور سے محبت کرنے لگتی..... یہ محبت نہیں محبت کی توہین تھی۔

میں محبت جیسے جذبے پر ایمان رکھتا تھا لیکن اس کی اس قدر تحقیر اور پامالی نے مجھے اس چیز سے اچاٹ کردیا تھا مجھے ہر کسی کی محبت جھوٹ اور ڈھکوسلہ لگتی۔

نوال اگلے دو دن تک مجھے نظر نہیں آئی۔ وہ شاید اپنے کیے پر پشیمان تھی تاہم میں اسے سرزنش ضرور کرنا چاہتا تھا۔ میں اسے اس راہ پر چلنے سے روکنا چاہتا تھا۔ جس کا انجام نارسائی تھا۔ اسی لیے میں نے اس سے دوٹوک بات کرنے کا ارادہ کیا۔

اور پھر وہ سب کچھ ہوگیا جس کا میں نے گمان تک نہیں کیا تھا۔

مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ احمق اور جذباتی لڑکی خودکشی جیسی حماقت کرلے گی تو میں کم از کم اتنی جلدی مدیحہ ارسل سے منگنی کے لیے رضامند نہ ہوتا۔ مدیحہ ارسل مجھے پسند نہیں تو ناپسند بھی نہیں تھی۔ ہاں بس میں ابھی شادی جیسی ذمہ داری میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔

اتنی عجلت میں منگنی کا فیصلہ بھی صرف نوال احمر کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ میں بس یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے قدم واپس موڑ لے۔ آدھے راستے سے ہی واپس پلٹ جائے۔ اور اسی لیے میں نے امی سے کہہ دیا کہ وہ ماموں کو ہاں کردیں۔ مگر اس بار بھی میں ہی غلط تھا۔ وہ ایک بار پھر محبت کا تمام تر تفاخر لیے میرے مقابل تھی..... اس شام میں نے حماقت کی تھی۔ بات ہم دونوں کے بیچ سے نکل گئی تھی اس لیے دوبارہ یہ حماقت مجھے مہنگی پڑ سکتی تھی۔ میں نے حتی الامکان اپنا لہجہ نرم رکھا مگر جب وہ یہ کہہ کر گئی کہ۔

"آپ میری محبت آزما رہے ہیں تو کیا میں آپ کا ضبط بھی نہ آزماؤں؟"

اس کا یہ جملہ میری سماعتوں میں گڑ سا گیا تھا۔ میں باوجود کوشش کے اس رات سو نہ سکا۔ اس کا متورم لہجہ اور بھیگی پلکیں مجھے ساری رات ڈسٹرب کرتی رہیں۔ اگلے دن میں تمام دن باہر ہی رہا تھا۔ کول تار کی سیاہ سڑک پر رات گئے تک بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ پتہ نہیں میں کیا چاہتا تھا۔ پتا نہیں میں کس سے فرار چاہ رہا تھا۔

خود سے؟

حالات سے؟

یا نوال احمر کی محبت سے؟

منگل کی شب میری انگیجمنٹ کی رسم ہونا تھی۔ میں جانتا تھا کہ میرا دل مکمل آمادگی کے ساتھ مدیحہ ارسل سے تعلق استوار کرنے کے لیے رضامند نہیں ہے مگر میں بس نوال احمر سے بچنا چاہتا تھا۔ اس کی بچکانہ محبت سے فرار چاہتا تھا۔

امی نے میرے کپڑے وارڈروب سے نکال کر رکھ دیے تھے، وہ بے حد خوش تھیں کہ میں ان کی پسندیدہ لڑکی سے شادی کے لیے رضامند ہوگیا ہوں۔ وہ مجھے تیار ہونے کا کہہ کر چند لمحے قبل ہی باہر گئی تھیں۔ دو دنوں سے میں نے نوال کی جھلک بھی نہیں دیکھی تھی، پتہ نہیں اس نے میرے من میں اس قدر اضطراب کیوں برپا تھا۔ میں ان سوچوں میں گھرا بیڈ روم سے باہر نکلا تو سامنے ہی وہ کھڑی رہی تھی۔ اس کے گلابی چہرے پر حزن نے اور بھی جاذبیت پیدا کردی تھی۔ سیاہ آنکھیں بوجھل سی ہو رہی تھیں۔ کتنی ہی دیر تک مجھے یک ٹک دیکھتی رہی اور پھر مجھے ہوش آیا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اس کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ آج کے بعد یہ اضطراب اور بے چینی ختم ہو جائے گی۔ میرے نام کے ساتھ مدیحہ ارسل کا نام جڑا دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ جائے گی، مگر اس طرح نہیں ہوا۔ سب کچھ ویسے نہیں ہوتا جیسے ہم سوچتے ہیں۔

میں نیچے آیا تو امی نے ڈانٹ پلادی کہ آٹھ بجنے میں کچھ ہی دیر ہے اور میں ابھی تک ایسے ہی پھر رہا ہوں۔ چار و ناچار نخواستہ میں کمرے میں آکر تیار ہونے لگا تھا اور اسی وقت پورے گھر میں جیسے قیامت سی بپا ہوگئی تھی۔ شور ابی کے بیڈ روم سے بلند ہو رہا تھا۔ مجھے یکدم سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ ابی چلا چلا کر سب لوگوں کو اکٹھا کیوں کر رہے ہیں۔ ہاتھ میں تھاما ہیئر برش وہیں پھینک کر باہر لپکا تو سب ہی ابی کے بیڈ روم کے باہر جمع تھے۔

"نوال کو کیا ہوگیا ہے؟ یہ اٹھ کیوں نہیں رہی۔" بے چینی سے اس کا چہرہ ہلا رہی تھیں اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔

"کیا ہوگیا میری بیٹی کو....." عروس چچی رونے کو تھیں۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ جب

چچی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"آخر وہی ہوا نا جس کا مجھے ڈر تھا۔"

سب نوال کو پکارتے اسے ہلا جلا رہے تھے۔ تب ہی میری نظر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑی ابی کی خواب آور گولیوں کی خالی شیشی پر پڑی۔ میرا دل پل بھر کو رک سا گیا۔

"نوال نے سوسائیڈ کی ہے؟" اریب حیرت سے کہہ رہا تھا۔

"سوسائیڈ؟ کسی کے قدموں تلے زمین نہیں رہی تھی۔

ہادی میموریل میں کوئی اس کیس کو لینے پر آمادہ نہ ہوتا جو میں بروقت ڈاکٹر مصطفیٰ شیرازی کو کال نہ کرلیتا۔ وہ میرا بہترین دوست تھا اور اسی اسپتال کے منتظمین میں سے تھا۔ وہ ان دنوں اسلام آباد گیا ہوا تھا مگر اس کی ایک کال پر ڈاکٹر اویس ہاشم نے سرجن یزدانی کو ان کے گھر سے ایمرجنسی بلایا جو کہ پانچ منٹ کی مسافت پر ہی تھا۔ سب کے لبوں پر دعائیں تھیں اور آنکھوں میں بے یقینی اور استعجاب.....

"نوال احمر خودکشی کیوں کرے گی؟ مجھے سب کی آنکھوں میں یہی سوال لکھا دکھائی دے رہا تھا۔ بروقت ٹریٹمنٹ سے اسے بچا لیا گیا تھا۔ میں اس کی محبت سے چھٹکارا چاہتا تھا اس کی زندگی سے نہیں۔ مگر اس کی اس حرکت نے مجھے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ میں بے قصور تھا۔ لیکن سب کی نگاہیں مجھ پر آرکی تھیں۔

کوئی نہ کوئی قصور میرے حصے میں بھی رقم ہو رہا تھا اور میں پہلے والا احرار مبشر بن گیا۔ اپنی ذات کی خاطر کسی کی پروا نہ کرنے والا..... کسی کو خاطر میں نہ لانے والا۔ ابی نے نوال سے میری شادی کا فیصلہ سنا دیا تھا۔

مگر میں نے انکار کردیا۔ اقرار کرتا تو مجھے بھی شریک جرم ٹھہرایا جاتا۔

ہمدانی ولا کو چھوڑنا میرے لیے آسان تھا نوال احمر کو اپنانے سے، میں سترہ اٹھارہ سال کی امیچور لڑکی سے شادی کیسے کرلیتا؟ میری اور اس کی ذہنی اپروچ میں صدیوں کا فاصلہ تھا۔ وہ کم عمر، نادان اور بے حد جذباتی لڑکی احرار مبشر کی شریک حیات بننے کے لائق نہیں تھی، اس لیے میں نے اس سے نجات پانے کے لیے ہمدانی ولا کو چھوڑ دیا۔

میری پہلی منزل اسلام آباد میں فرح آپی کا گھر تھا۔ میں دو دن کی لیو پر اسلام آباد چلا آیا اور پھر اپنے تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے میں نے اپنا ٹرانسفر جرمنی برانچ میں کروا لیا۔ فرح کو واقعے کی نوعیت کا علم نہیں تھا جب تک ہوا میں ہوٹل میں بکنگ کروا چکا تھا۔ میں بھی اپنی سرزمین سے اس طرح علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ میں اس وقت ہر شے سے فرار چاہتا تھا۔ پھر میں جرمنی چلا گیا اور وہاں چھ برس تک میں نوال احمر کی محبت کا بوجھ ساتھ لیے پھرتا رہا۔

ہاں..... یہ حقیقت ہے۔ چھ برس میں نے نوال احمر کو بھلانے کی کوشش کی اور وہ چھ برس بعد بھی مجھے یاد رہی تھی۔ میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے سے انکار کردیا تھا پھر بھی وہ میرے لہو میں محبت بن کر شامل رہی۔

"ہاں..... محبت..... جو مجھے اپنے علاوہ کسی سے نہیں تھی مگر میں نے نوال احمر سے محبت کی..... اس کی دیوانی محبت جانے کس کمزور لمحے کی گرفت میں آکر مجھے اپنا اسیر کر گئی تھی۔ اس کا ادراک مجھے پاکستان میں ہی ہوگیا تھا اس لیے تو میں اس یقین کو متزلزل کرنے کے لیے اتنی دور چلا گیا تھا۔ مگر چھ برس بعد مجھے پتا چلا کہ نوال مجھ سے بہت آگے جا چکی ہے۔

مجھ سے گیارہ برس چھوٹی لڑکی مجھے صدیوں کے فاصلے پر نظر آئی تھی۔

میں نے جرمنی جانے کے بعد کسی سے بھی ربط رکھنا گوارا نہ کیا تھا سوائے امی کے..... میں نے بہت سے لوگوں کو خفا کیا تھا مگر اپنی جنت کو نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ مجھ سے نہیں ابی سے خفا تھیں کہ انہوں نے جھوٹی ضد اور انا کے لیے بیٹے کو خود سے جدا کردیا۔ انہوں نے بارہا مجھے واپس بلایا مگر میں نے انکار کردیا۔

جب مجھے یہ خبر ملی کہ مستقبل میں سرجن بننے کے خواب دیکھنے والی نوال احمر اب بی ایس کر رہی ہے تو اپنے حصے میں دوسرا جرم لکھا۔ میں جانتا تھا کہ سرجن بننا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا۔ وہ اکثر اوول آل پہن کر گھر میں ڈاکٹر کے روپ میں پھرا کرتی تھی۔ مگر اب.....

"وہ ڈاکٹر کیوں نہیں بن رہی۔ امی! آپ اسے سمجھائیں نا۔ اتنے زبردست مارکس لیے ہیں اس نے۔ وہ خود کو کیوں اذیت دے رہی ہے۔" میں فون پر کہنے سے باز نہیں رہ سکا۔

"جو لڑکی اپنی جان تک کی پروا نہ کرے، وہ اپنے خوابوں

کی پروا کیوں کر کرے گی؟"
پھر میں نے سنا کہ اس نے زہیر حاذق سے شادی کے لیے رضامندی ظاہر کر دی ہے اور اس رات میں پل بھر کو سو نہ سکا۔ میں اسے اپنانے کو آمادہ ہو جاتا لیکن میری انا.... میں اسے ایک بار ٹھکرا چکا تھا۔ اب دوبارہ کیسے قبول کر لیتا۔

"پچیس کو اس کی شادی طے ہو گئی ہے۔" امی نے افسردگی سے بتایا تھا۔ میرا دل کسی نے مٹھی میں مسل دیا۔

"اگر اسے مجھ سے محبت کا دعوا تھا تو اس نے کسی دوسرے شخص کو قبول کیوں کیا؟" رہ رہ کر میرے من میں یہ خیال ابھرتا۔

"اور میں..... میں نے تو کبھی محبت کا دعوا بھی نہیں کیا تھا اور آج بھی اکیلا ہوں۔"

تو یہ طے ہوا نوال احمر کہ..... تم مجھ سے محبت کرتی تھیں اور میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" بالآخر مجھے اعتراف کرنا پڑا تھا۔

وہ زہیر حاذق سے شادی کے لیے چچا جان کی وجہ سے آمادہ ہوئی تھی۔ یہ مجھے امی نے بتایا تھا۔ جس پر میں جانے کیوں یقین نہ کر سکا۔ مگر جب چچا جان کی ڈیتھ ہوئی تو مجھے نوال احمر کی مجبوری کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

میں اس وقت بھی پلٹنا چاہتا تھا جب مجھے خبر ہوئی کہ زہیر حاذق اور نوال احمر کی رفاقت تو بہت مختصر تھی وہ دو اجنبی کچھ عرصے کے لیے ایک دوسرے سے ملے اور پھر ان کی راہیں الگ ہو گئیں..... لیکن میں پلٹ نہیں سکا۔

چھ برس میں ہمدانی ولا' سے دور رہا تھا۔ اپنے ابی اور امی سے دور رہا۔ اپنے بہن بھائیوں اور کزنز سے بات چیت تک نہیں ہوئی کبھی۔ فرح اور عفیرہ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھیں لیکن میرا دل جانے اتنا پتھر کیوں ہو گیا تھا۔

میں نے کس کس کا ضبط نہیں آزمایا اور جب خود کو جھیلنا پڑا تو سگریٹ نوشی شروع کر دی مجھے نشہ آور اشیاء سے سخت نفرت تھی مگر میں کیا کرتا کبھی کبھی مجھے ڈپریشن کے دورے بھی پڑنے لگے تھے۔ اس لیے میں نے سگریٹ کا سہارا لے لیا۔ جرمنی میں میرا کوئی قریبی ساتھی نہیں تھا۔ بس آفس کولیگز تھے جن سے میں قطعی بے تکلف نہیں تھا۔ صبرینہ ہائیٹس کی سولہویں منزل پہ بنے فلیٹ پر تن تنہا اپنے لیے کافی بناتے ہوئے مجھے وہ چھوٹی سی نوال احمر اکثر یاد آتی تھی۔ جس کا ہاتھ کوکنگ رینج تک نہیں پہنچتا تھا لیکن وہ پھر بھی میری خواہش پر کافی بناتی تھی۔ میں نے اسے دانستہ یاد کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی لیکن وہ کب کب مجھے یاد نہیں آئی؟

ہر موسم ان چھ برسوں میں' میں نے اکیلے فقط ادھوری یادوں کے سنگ گزارا۔ مجھے ابی کے بیڈ پر پڑا اس کا بے حس و حرکت وجود اکثر مضطرب کر دیتا۔ اس کی متورم آنکھیں اور بوجھل لہجہ.....

میں اب مزید فقط یادوں کے سہارے نہیں جی سکتا۔

جس روز میں نے یہ اعتراف کیا۔ اس کی اگلی صبح میں پاکستان لوٹ آیا ہمیشہ کے لیے.....

ہمدانی ولا میں میری آمد حیرانی کا باعث بنی تھی۔ لیکن سب خوش بھی ہوئے۔ میں نو بجے کے قریب گھر پہنچا تھا۔ یہ سب کا آفس اور یونیورسٹی ٹائم تھا۔ گھر میں وہی چہل پہل تھی جو چھ برس پہلے بھی مجھے محسوس ہوتی تھی لیکن اب شگوفے اور قہقہے جیسے تھم سے گئے تھے۔ سب نے میرا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ میری نظریں بے تابی سے نوال احمر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ حالانکہ میں جانتا تھا' یہ اس کی کالج ٹائمنگ ہے۔ امی مجھے دیکھتے ہی کچن میں لنچ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھیں حالانکہ میں نے انہیں منع کیا تھا کہ تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عروس چچی پہلے کی نسبت بہت بدل سی گئی تھیں۔ پہلے میں نے انہیں ہمیشہ نک سک سے درست چہرے پر جان دار مسکراہٹ لیے دیکھا تھا اور آج وہ سادگی اور سنجیدگی کی مثال نظر آ رہی تھیں۔ میں فریش ہو کر لاؤنج میں آیا تو صوفے پر اسپورٹس کار سے کھیلتے اس تین' سوا تین سالہ بچے کو دیکھ کر میرے قدم سیڑھیوں پر ہی تھم سے گئے تھے۔ بے حد گلابی رنگت اور بھورے بالوں والا وہ بچہ اس قدر خوب صورت تھا کہ میں چند لمحے اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہ سکا۔ میری موجودگی محسوس کر کے اس نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور اس کا گلابی چہرہ..... ہو بہو نوال احمر کا عکس چرائے تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت کی رمق ابھری اور پھر وہ صوفے سے نیچے اتر آیا۔

"السلام علیکم انکل!" وہ فوراً بولا مجھے اس پر بے حد پیار آیا تھا۔ آگے بڑھ کر میں نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک۔" وہ قدرے شرما سا گیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"احزم زہیر....." اور میرے ہاتھ میں پل بھر کو لرزش اتری۔ وہ نوال احمر اور زہیر حاذق کا بیٹا تھا۔

"بڑی امی! یہ انکل کہاں سے آئے ہیں؟" اس نے امی سے پوچھا۔

"یہ..... بہت دور سے آئے ہیں بیٹا!"

احزم کافی ہنس مکھ اور گھلنے ملنے والا بچہ تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ مجھ سے بے تکلف ہو گیا تھا۔

"آپ کی مما کہاں ہیں؟" امی کچن میں گئیں تو میں نے سرگوشی کے انداز میں اس سے پوچھا۔

"مما..... وہ تو کالج گئی ہیں' وہ ٹیچر ہیں نا۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"کیسی ٹیچر ہیں وہ..... کافی ڈانٹتی ہوں گی بچوں کو ہے نا؟"

"جی نہیں..... میری مما بہت سوئیٹ ہیں۔ وہ کسی کو نہیں ڈانٹتیں۔"

"اور اگر انہوں نے مجھے ڈانٹا تو۔"

"آپ کو..... مگر وہ آپ کو کیوں ڈانٹیں گی' کیا آپ انہیں تنگ کرتے ہیں۔"

"تنگ تو وہ مجھے کرتی ہے....."

"مما آپ کو تنگ کرتی ہیں؟"

"ہاں یار! بہت تنگ کرتی ہے....."

"اوہ..... یہ تو مما اچھا نہیں کرتیں۔" وہ معصوم سا منہ بنا کر بولا تھا' مجھے پھر ہنسی آ گئی۔ میرے علم میں تھا کہ نوال کا ایک بے حد کیوٹ بیٹا بھی ہے اس لیے میں نے اس کے لیے بھی شاپنگ کی تھی اور جب میں نے اسے کینڈیز اور کھلونے دیے تو وہ بے تحاشہ خوش ہوا تھا۔

"انکل! یہ سب کچھ آپ میرے لیے لائے ہیں؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں..... یہ سب کچھ آپ کے لیے ہے۔"

"اور مما کے لیے۔"

"مما کے لیے....." میں اس کے سوال پر لاجواب ہو گیا۔

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں اِنشاء جی کی

ابنِ انشاء

قیمت: -/300 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

وہ اس دن معمول سے قدرے لیٹ آئی تھی۔ میری وجہ سے عمیر وغیرہ جلدی گھر آگئے تھے اور میں بے تابی سے نوال احمر کی آمد کا منتظر تھا۔ میں نے اسے چھ برس نہیں دیکھا اور اب چھ پل گزارنے دشوار لگ رہے تھے۔

"مما آگئیں؟" اس کی گاڑی کا مخصوص ہارن سب سے پہلے احزم کو ہی سنائی دیا تھا۔ وہ فوراً" میری گود سے اتر کر باہر لپکا تھا۔ میرا دل سینے میں بے ساختہ دھڑکا۔

"وہ کچھ بولتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور وہ پل ہم دونوں کے لیے ہی قیامت تھا۔ وہ یک ٹک مجھے اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں کی نگاہ میں حیرت تھی۔ وہ میری واپسی سے ششدر تھی تو میں اسے دیکھ کر۔۔۔ لائٹ بلیو کلر کی ساڑھی میں اپنے کرلی بالوں کو کیچر میں جکڑے وہ اس نوال احمر سے بہت مختلف لگی تھی جو جینز کے ساتھ کرتا پہنا کرتی تھی۔ نوکل گلاسز نے اس کے چہرے کے بچپن کو عجب سنجیدگی میں ڈھال دیا تھا۔ اس کی بے حد گلابی رنگت آج بھی ویسی ہی تھی مگر وہ شرارت بھری مسکراہٹ لبوں سے کھو چکی تھی۔

"کیسی ہو نوال!" مجھے کچھ تو کہنا تھا اور وہ اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپانے کے لیے ننگے پاؤں سیڑھیوں کی طرف بھاگ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

میرا خیال یہی تھا کہ مما اب دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کریں گی۔ میں انہیں سختی سے منع کر چکی تھی لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ ان کی زبان پر اٹھتے بیٹھتے اب میری دوسری شادی کا ذکر رہتا۔ میری جھنجلاہٹ اور چڑچڑاہٹ کو وہ کسی خاطر میں نہیں لا رہی تھیں۔

"مما! آپ چاہتی کیا ہیں؟" میں جتنا اس موضوع سے بچنا چاہتی، وہ اتنا ہی اسے رگیدتی۔

"میں صرف تمہیں سکھی اور آباد دیکھنا چاہتی ہوں میری جان! تمہارے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ کھیلتے دیکھنا چاہتی ہوں جو تمہاری خاصیت تھی، میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں نوال۔"

"میں خوش ہوں مما!" میں نے نگاہیں اپنی ہتھیلیوں پر گاڑ دیں۔ "اور نہ بھی خوش ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟"

"فرق کیوں نہیں پڑتا نوال! میں ماں ہوں تمہاری اُجاڑ اور ویران زندگی دیکھ کر مجھے رونا آتا ہے۔ ابھی عمر ہی کیا ہے۔۔۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں تم نے کتنے دکھ دیکھ لیے۔۔۔ ابھی تو۔" وہ رونے لگی تھیں۔ میں مضطرب ہو گئی۔

"مما! پلیز۔ کتنی بار دہرائیں گی ان لایعنی باتوں کو۔ یہ سب میرا نصیب تھا مما اور میں اس پر صبر کر چکی ہوں۔"

تب ہی احزم سرخ چہرہ لیے بھاگتا ہوا میری گود میں آ کر سوار ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں سلانٹی کے دو پیکٹ اور ایپل جوس تھا۔ میری پیشانی شکنوں سے پُر ہو گئی۔ جانتی تھی کہ یہ نوازش احرار مبشر کی ہو سکتی ہے۔

"مما! اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ میرے بیٹے کی عادتیں بگاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے کسی کا عادی نہیں بنانا چاہتی اپنی طرح۔" میں نے مما سے کہا تو وہ ناراض ہو گئیں۔

"ہر بات کو منفی رخ پہ لے جاتی ہو۔ احرار کیا سب ہی احزم پہ جان چھڑکتے ہیں۔ کیا سب کو منع کر دوں۔"

"بس ان میں احرار مبشر کا نام نہیں ہونا چاہیے۔"

"وہ اپنی غلطی پر نادم ہے نوال!" ایک دم ہی ان کا لہجہ بدل گیا۔

"مجھے اب ان سے متعلق کسی بات سے دلچسپی نہیں رہی! احزم میں نے آپ کو منع کیا ہے نا انکل کے ساتھ جانے سے۔۔۔۔" میں نے سلانٹی اور جوس سے لطف اندوز ہوتے احزم سے قدرے سختی سے پوچھا۔

"کیوں مما؟ انکل تو بہت نائس ہیں۔۔۔ ہے نا نانو؟"

"ہاں۔۔۔ بس تمہاری مما کو ہی کبھی رشتوں اور رویوں کو پرکھنا نہیں آیا۔" وہ شکایتی نگاہ مجھ پر ڈال کر اٹھ گئیں۔

"میں کیا کروں میرے اللہ! زندگی اتنی دشوار کیوں ہے؟" ان کے رویے نے مجھے تکلیف دی تھی۔

"مما! آپ کو پتا ہے۔ گل کے پاپا باربی ڈول لائے ہیں۔ اور اس کا ہاؤس بھی۔۔۔ گل کہہ رہی تھی تمہارے پاپا تمہارے لیے کیا لائے ہیں، میں نے کہا ایروپلین۔"

"تمہارے پاپا۔" میں بری طرح چونکی تھی۔

"میں انکل کے ساتھ پارک میں گیا تھا نا مما تو گل شیر اور فضاء بھی آئی تھیں۔ انہوں نے انکل کو دیکھ کر کہا کہ یہ تمہارے پاپا ہیں احزم؟ تو انکل نے کہا ہاں۔۔۔ کیا انکل میرے پاپا ہیں مما!"

"واٹ۔۔۔" میں ششدر رہ گئی تھی۔

"اب میں انکل کو انکل نہیں پاپا کہوں گا۔۔۔ وہ میرے پاپا ہیں، ہے نا مما؟" اور میرے پاس احزم سے کہنے کے لیے

کچھ بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

بعض اوقات زندگی ہمیں وہ رخ دکھاتی ہے، جس کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ ہماری تقدیر میں کیا رقم ہے اگر قبل ازوقت خبر ہو جائے تو شاید ہمارے بھرم کبھی نہ ٹوٹیں۔ میں مجھے جب بھی مقدر کی بے حسی پر رونا آیا تھا جب مجھے احرار مبشر جیسے پتھر شخص سے محبت ہوئی۔

میں تب بھی افسردہ ہوئی تھی جب انہوں نے میری ذات کو اگنور کرنا شروع کیا۔ تب بھی اذیت سہی تھی میں نے جب انہوں نے مجھے بری طرح ٹھکرایا تھا۔

اور ان کے طمانچے کی ہزیمت اور تکلیف تو مجھے اب بھی بے چین اور دکھی کر دیتی تھی۔ پھر میں صرف زہیر حاذق کی بن گئی۔۔۔۔ میں نے اپنا آپ انہیں سونپا تھا۔ دل سمیت۔۔۔ تو انہوں نے اپنی بے غرض محبت کو مرہم بنا دیا پھر میں احرار مبشر کو بھولنے لگی ہاں۔۔۔ بس اس کے دیے دکھ نہیں بھول سکی۔

میں ہمدانی ولا سے وداع ہوئی تو مما سے کہہ کر گئی تھی کہ کبھی لوٹ کر اس گھر میں دوبارہ نہیں آؤں گی اور اس سے میری تقدیر نے مجھ پر قہقہہ لگایا تھا۔ اسی لیے تو محض دو برس بعد ہی بیوگی کا داغ لے کر دوبارہ اسی آنگن میں چلی آئی جہاں کبھی نہ لوٹنے کا عہد باندھا تھا۔ پھر میں نے دوسرا وعدہ خود سے یہ کیا کہ اب زندگی احزم کے لیے وقف کر دوں گی۔ کوئی دوسرا شخص میری زندگی میں نہیں آئے گا لیکن میں یہاں بھی مات کھا گئی مقدر سے۔۔۔ مجھے تماشا بننے سے ہمیشہ خوف آتا تھا پھر بھی میں کئی بار تماشا بنی۔

"مما۔۔۔ مما آپ کتنی کیوٹ لگ رہی ہیں دلہن بن کے۔" احزم مجھے دولہن کے روپ میں دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ ہمدانی ولا کے سب لوگ خوش تھے بس ایک میرا دل ہی پتہ نہیں کیوں بجھا بجھا سا تھا۔ میرون شیفون کے شلوار قمیص میں ہرگز روایتی دولہن نہیں لگ رہی تھی لیکن احزم کو مجھ پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ میں روایتی دلہن کیوں بنتی۔۔۔ روایتی دولہن تو میں پہلی شادی کے وقت بھی بنی تھی۔

"ہاں۔۔۔ دوسری شادی۔۔۔ آنسو میرے دل میں گرنے لگے تھے۔

پہلی محبت سے دوسری شادی۔۔۔ پلکیں جھپک جھپک کر میں نے اشکوں کو تماشا بننے سے روکا تو یہ طے ہوا احرار مبشر! کہ آپ میرا نصیب بنے لیکن اس سمے جب میرے دل کو آپ کی طلب نہ رہی۔۔۔ مجھے اپنی پہلی محبت تب ملی جب محبت لغزش بن کر یاد آتی تھی۔

مجھے آپ سے محبت تھی۔ یہ سچ ہے۔

میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ یہ جھوٹ ہے۔

میں آپ سے محبت کروں گی یہ گمان ہے۔۔۔ شاید کہ حقیقت میں بدل جائے، شاید کہ عمر بھر گمان ہی رہے۔ ان کے کمرے میں لگے ان کے قد آدم پورٹریٹ کو دیکھتے ہوئے میں ان سے مخاطب تھی۔ احزم جانے کب باہر چلا گیا تھا۔

میں نے بارہا اس کمرے میں اور اس کے مالک کے دل میں آباد ہونے کی آرزو کی تھی۔ جو قدرت نے پوری ضرور کی لیکن۔۔۔ میں نے کمرے پر طائرانہ نگاہ ڈال کر پھر سے نظریں ہتھیلی پر گاڑ دیں۔ جہاں سرخ مہندی رچی ہوئی تھی اور واضح طور پر فرح آپی نے اپنے بھائی کا نام لکھا تھا۔ میں نے انہیں منع نہیں کیا تھا۔۔۔ کیوں کرتی۔ ان کا نام تو قدرت نے ہتھیلی کی لکیروں میں رقم کر رکھا تھا۔

معاً" دروازے پر مدھم سی دستک ہوئی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

"السلام علیکم۔" احرار مبشر کی گمبھیر آواز کمرے میں گونجی تھی مگر میں نے نگاہ نہیں اٹھائی ہاں۔ بس اپنے دل کا دروازہ مضبوطی سے بند کرنے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر کو میں نے احرار مبشر سے محبت کی تھی اور محبت کبھی نہیں مرتی۔ اس کا اندازہ مجھے ابھی ابھی ہوا تھا۔

☼

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ائیر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361